جلد ۷۹ — جون ۱۹۷۳ء — عدد ۴

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مرتبہ

ابوالاعلیٰ مودودی

ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

تاجر و ایجنٹ حضرات متوجہ ہوں

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر

تفہیم القرآن

جلد سوم، جلد چہارم، جلد پنجم اور جلد ششم

طبع ہو کر آگئی ہیں۔ اپنی مطلوبہ تعداد کے حصول کے لیے آج ہی آرڈر سے مطلع فرمائیں

جلد اوّل زیر طبع ہے۔ انشاء اللہ العزیز جلد تیار ہو جائے گی۔

تفہیم القرآن

جلد اوّل	سورۃ الفاتحہ — سورۃ الانعام		زیر طبع
جلد دوم	سورۃ الاعراف — سورۃ بنی اسرائیل	ہدیہ	۳۰/- روپے
جلد سوم	سورۃ الکہف — سورۃ الروم	"	۳۳/- روپے
جلد چہارم	سورۃ لقمان — سورۃ الاحقاف	"	۲۸/- روپے
جلد پنجم	سورۃ محمد — سورۃ الطلاق	"	۳۰/- روپے
جلد ششم	سورۃ التحریم — سورۃ الناس	"	۳۰/- روپے

ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۷۹ | جون ۱۹۷۳ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ | عدد (۴)

ماہنامہ ترجمان القرآن

۵-اے ذیلدار پارک - اچھرہ لاہور

زرِ سالانہ: دس روپیہ —— فی پرچہ: ایک روپیہ

ابوالخیر مودودی پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔ پرنٹر: محمد شفیع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

جمہوریت اور آمریت پہ یوں تو اس دور میں متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں مگر ان میں مواد اور خیالات کے لحاظ سے زیادہ جاندار اور وقیع وہ کتب ہیں جو دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد شائع ہوئیں۔ گزشتہ صدی کی آخری دہائی سے لے کر اس صدی کی پہلی دہائی تک اس موضوع پر جن لوگوں نے بھی اظہار خیال کیا اُن کا انداز بیان اکثر و بیشتر فلسفیانہ تھا اور اُن کے مباحث کی نوعیت کافی حد تک نظری تھی مگر دوسری جنگِ عظیم کے بادل چھٹ جانے کے بعد جب فضا صاف ہوئی اور جذبات کے شعلے ٹھنڈے ہوئے تو پھر اہل فکر اور سنجیدہ اور حساس طبقوں نے جنگ کی تباہ کاریوں اور ہولناکیوں کے روح فرسا مناظر کو دیکھتے ہوئے جس زاویہ نگاہ سے آمریت اور جمہوریت کا جائزہ لیا، اس میں ان دونوں نظاموں کے عملی مظاہر اور اُن سے پیدا ہونے والے نتائج پر اظہار خیال کیا گیا۔ پھر اس ضمن میں بعض مفکرین نے ان نظاموں کے عناصر ترکیبی کا تجزیہ کر کے بتایا کہ یہ دونوں نظام جن عناصر سے عبارت ہیں وہ کسی قوم اور ملک کے اندر کس قسم کے حالات کو لازمی طور پر جنم دیتے ہیں۔

اس موضوع پر جتنی کتابیں بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے ان میں سٹیفن کنگ ہال کی کتاب تین آمر (THREE DICTATORS) خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اس میں مصنف نے تین بڑے آمروں مسولینی، ہٹلر اور سٹالن کے عروج و زوال کی داستان کو اس انداز سے قلمبند کیا ہے جس سے اسباب اور نتائج میں ایک معنوی ربط پیدا ہو جاتا ہے۔ کنگ ہال نے سب سے پہلے ان حالات کی نشاندہی کی ہے جو آمریت کے فروغ اور تسلط کے لیے سازگار ہوتے ہیں۔ پھر آمر اس تسلط کے بقا کے لیے جو ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں اُن پر اُس نے بڑی فکر انگیز بحث کی ہے اور آخر میں

اس حسرتناک انجام کا تذکرہ کیا ہے جس سے خود آمر دوچار ہوتا ہے اور قوم کو دوچار کرتا ہے۔ فاضل مصنف نے اپنی اس تصنیف میں جن خیالات کا تذکرہ کیا ہے اُن سے پوری طرح تو اتفاق نہیں کیا جا سکتا مگر اس امر سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اس نے آمریت کے آغاز، عروج اور انجام کا جس دیدہ وری سے جائزہ لیا ہے وہ بڑا قابلِ قدر ہے اور اپنے اندر غور و فکر کے کئی ایک پہلو رکھتا ہے۔

آمریت کے آغاز کے بارے میں مصنف کی رائے یہ ہے کہ اس کا درخت نہ تو کسی زرخیز زمین میں جڑ پکڑتا ہے اور نہ زرخیز زمین اس کے برگ و بار لانے میں اس کی کسی اعتبار سے مددگار ثابت ہوتی ہے۔ آمریت کو صرف اُس قوم اور اُس ملک میں کچھ مدت تک سر اٹھانے اور اپنا تسلط قائم کرنے کا موقع فراہم ہوتا ہے جو فکر و نظر کے اعتبار سے بنجر اور تہذیب و شائستگی کے لحاظ سے سراسر ویرانہ ہو یا اگر یہ بات نہ ہو تو قوم پریشان فکری اور پریشان نظری کی شدید شکار ہو اور اس میں اس سے نجات حاصل کرنے کی کوئی ہمت اور ارادہ تو باقی نہ ہو البتہ یہ خواہش ضرور ہو کہ کوئی "مردے از غیب" آ کر اس کی الجھنوں کو دور اور اُس کے دکھوں کا مداوا کرے مگر اس سلسلے میں خود اسے کچھ نہ کرنا پڑے۔ کوئی شعبدہ باز شعبدہ بازی سے اس کے سارے مسائل حل کر دے۔

اگر کوئی قوم فی الحقیقت فکری اور نظریاتی اعتبار سے بانجھ ہے تو اس میں آمریت کے پنپنے کے بڑے روشن امکانات ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی طالع آزما ناموافق حالات میں آمریت کو کسی قوم پر مسلط کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ سب سے پہلے قوم کو بانجھ بناتا ہے یا اگر جلد از جلد بانجھ بنانے کی کوئی صورت نہیں پاتا تو ایسے حالات پیدا کر دیتا ہے جن میں زندگی اُس کے لیے سراپا عذاب بن کر رہ جاتی ہے اور پھر بڑی ہنرمندی اور چابکدستی کے ساتھ اس کے ذہن کو اس بات کی طرف منتقل کرتا ہے کہ جب تک کسی مضبوط شخصیت کے ہاتھ عنانِ اقتدار نہیں آتی اس وقت تک اصلاحِ حال کی کوئی صورت ممکن نہیں ہو سکتی اور جس "مضبوط شخصیت" کا نقش بڑی عیاری کے ساتھ ابھار ابھار کر سامنے لایا جاتا ہے وہ اس وہم زدہ آمر کی اپنی ذات ہی ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں فاضل مصنف کی تصریحات قابلِ غور ہیں:

"سب سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ آمریت کا آغاز بسا اوقات بظاہر بڑے معصوم اور معقول انداز سے ہوتا ہے۔ قوم پر عرصۂ حیات تنگ ہونے کی وجہ سے اس کا ذہن اس نہج پر سوچتا ہے: ہمیں اس وقت ایک مضبوط حکومت کی ضرورت ہے تاکہ وہ ملک میں بڑھتی ہوئی بدامنی کو دور کر کے ملک میں امن و امان قائم کرے۔ تخت اقتدار پر متمکن ہونے والا آمر اور اس کے ساتھی عام طور پر اس انداز سے گفتگو کرتے ہیں: معاملات کو ہم پر چھوڑ دو ہم انھیں خود درست کر لیں گے۔ مگر اس کام کو سرانجام دینے کے لیے ہمیں اُن آزادیوں پر مجبوراً کچھ پابندیاں عائد کرنی ہوں گی جن سے افراد نے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے قوم کو مصائب میں گرفتار کر دیا ہے۔ مثلاً ہم اصلاحِ احوال کے لیے مزدوروں سے ہڑتال کے حق کو سلب کرنے پر مجبور ہیں اور اسی طرح ہم اخبارات اور ریڈیو کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ حکومت کو مسلسل ہدفِ تنقید بناتے رہیں۔"

جب آمریت کا فروغ کسی قوم کے بانجھ ہونے سے مشروط ہے تو ظاہر بات ہے کہ اسے آگے بڑھنے کے مواقع صرف اُن بستیوں اور معاشروں ہی میں حاصل ہو سکتے ہیں جو نہ صرف افکار و نظریات کے لحاظ سے تہی دست ہوں بلکہ اجڑے ہوئے دیاروں کا بھیانک نقشہ پیش کرتے ہوں۔ اس کی تین صورتیں ہی ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ قوم فی الحقیقت فکر و نظر کی ساری صلاحیتوں سے یکسر عاری ہو یا اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے عاری ہو چکی ہو۔ دوسرے وہ حقیقت میں عاری تو نہ ہو مگر اسے ایسی الجھنوں میں پھنسا دیا گیا ہو کہ وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ اُس کے اندر ان سے نجات حاصل کرنے کی قوت باقی نہیں رہی۔ کوئی زبردست ہاتھ ہی اُسے کھینچ کر ان سے باہر نکال سکتا ہے۔ تیسرے قوم کے اندر پائی جانے والی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اسے ایک لگے بندھے منصوبے کے تحت ساری تعمیری صلاحیتوں سے محروم کر دیا جائے اور ذہنی اور عملی لحاظ سے اس حد تک مفلوج بنا دیا جائے کہ وہ آمریت کے سہارے کے بغیر چلنا تو درکنار کھڑے ہونے کی بھی طاقت نہ رکھتی ہو اور اس بنا پر وہ اس سہارے کی ہمیشہ محتاج رہے۔

آمریت کے لیے اِن تین سازگار صورتوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان تینوں میں کوئی ایک صورت بھی تعمیری نوعیت کی نہیں بلکہ مزاج اور طریقِ کار کے لحاظ سے یہ تینوں منفی اور تخریبی صورتیں ہیں جن سے فائدہ اٹھا کر اگرچہ آمر کسی قوم کی گردن پر مُسلّط ہو جاتا ہے مگر اُسے تباہی کے مہیب غاروں کی طرف دھکیل دیتا ہے۔

آپ ان تینوں صورتوں پر نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ کیا قوم کا کوئی حقیقی بہی خواہ ان میں سے کسی ایک سے بھی فائدہ اٹھانے پر آمادہ ہو سکتا ہے۔ کسی قوم کا فکری و نظری اعتبار سے بانجھ ہونا یا سیاسی شعور سے عاری ہونا قوم کے سچے خیر خواہوں کے لیے تو ہمیشہ سخت پریشانی کا موجب ہوتا ہے کیونکہ کسی قوم کے اندر ان عوارض کی موجودگی اس کی زندگی کے لیے شدید خطرے کا باعث ہوتی ہے۔ اس لیے قوم کا ہر مخلص غمگسار اسے اس مرض سے جلد از جلد نجات دلانے کی کوشش کرتا ہے کجا کہ وہ اس مرض کو برقرار رکھ کر اس سے فائدہ اٹھانے کا التزام کرے۔ جس طرح کسی بچے کا حقیقی باپ ایک لمحہ کے لیے بھی اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کا بچہ مفلوج ہو یا اس کے جسم پر کچوکے لگا کر اسے بیکار کر دیا جائے یا اس کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو نشو و نما پانے کا موقع نہ ملے اور وہ فکری لحاظ سے ہمیشہ عہدِ طفولیت ہی میں رہے، بالکل اسی طرح قوم کا کوئی حقیقی خیر خواہ اس بات کو ایک ثانیہ کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ قوم مفلوج ہو یا اس کے اندر نیک و بد کی تمیز ختم ہو جائے یا اس کا شعور اس حد تک معطل ہو کہ اسے اپنے حقوق و فرائض کی کوئی پہچان نہ رہے۔ وہ جب قوم کے اندر ان علامات میں سے کوئی علامت بھی دیکھتا ہے تو سخت مضطرب ہو جاتا ہے اور انہیں دور کرنے کے لیے اپنی پوری قوت صرف کر دیتا ہے۔ قوم کو اذیت پہنچانے، اُسے ذہنی لحاظ سے بیکار بنانے اور اسے بے بس بنا کر اُس سے بیگار لینے کا کام قوم کے ہمدرد نہیں کرتے بلکہ قوم کے "خر کار" ہی کرتے ہیں جن کا فائدہ اسی میں ہوتا ہے کہ عوام کے احساسات یکسر مردہ ہو جائیں اور وہ حیوانوں کی طرح آمروں کے تابع رہ کر زندگی بسر کرنا اپنا مقدر سمجھ لیں۔

کسی قوم کا فکر و احساس کے لحاظ سے بانجھ ہونا بھی اگرچہ سخت تشویش ناک ہے مگر اس سے کہیں زیادہ ہولناک یہ بات ہے کہ اِسے بانجھ بنانے کا باقاعدہ انتظام کیا جائے۔ اگر جسم کا کوئی حصہ مفلوج ہو تو اسے درست کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن جب جسم صحت مند ہو تو اُسے مفلوج بنانے کے لیے جو

اذیت دینی پڑتی ہے اُس کے تصور سے روح کانپ اُٹھتی ہے۔ اس شرمناک اور انسانیت سوز کام سے وہ شخص خدا کی پناہ مانگتا ہے جو اپنے پہلو میں دل رکھتا ہے۔ اس قسم کے گھناؤنے فعل تو وہ لوگ کرتے ہیں جن کی انسانیت بالکل مر چکی ہو اور جو بے بس لوگوں اور خصوصاً ناتواں بچوں کے اعضا کاٹ کر یا موڑ توڑ کر اُنہیں دکھ درد کی تصویر بنا دیتے ہیں جو ایک طرف تو ان کے ہاتھ میں بے بس ہوتے ہیں اور دوسری طرف دیکھنے والے کے جذبہ ترحم کو بیدار کر کے اپنے ان ظالم مالکوں کے لیے خیرات کی زیادہ سے زیادہ رقم وصول کرتے ہیں۔

دنیا کا ہر آمر شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنی قوم کے ساتھ وہی وحشیانہ سلوک کرتا ہے جو ایک خرکار بیگار کیمپ میں مقید بچوں اور دوسرے انسانوں کے ساتھ کرتا ہے۔ آپ اگر اس سلوک کا ذرا دقتِ نظر سے مطالعہ کریں تو آپ اس میں چار نمایاں خصوصیات پائیں گے۔

(۱) خرکار کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جس شخص کو اُس نے قید کر رکھا ہے اسے اپنے گھر بار، عزیز و اقارب سب بھلا دیے جائیں اور وہ یکسوئی کے ساتھ صرف اسی کی خدمت و چاکری میں مصروف ہو جائے۔ بالکل اسی طرح آمر کی بھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ جس قوم پر وہ مسلّط ہے اسے اپنا ماضی، اپنی روایات، اپنا مقصدِ حیات الغرض ہر وہ شے جس سے اُس کے اندر اپنے الگ قومی وجود کا احساس بیدار ہو یکسر فراموش ہو جائے اور آمر اُسے اپنا تیار کردہ فکری اور جذباتی ماحول فراہم کرے۔ ہٹلر نے جرمن قوم کو دنیا کی دوسری قوموں سے الگ کرنے بلکہ ان کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات بھڑکانے کے لیے جو نئے نظریات اور نیا فلسفہ دیا اُس میں ماضی سے بغاوت اور انسانی بنیادی اقدار سے یکسر بے تعلقی کے واضح رجحانات دکھائی دیتے ہیں۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک شخص قوم کو نوعِ بشری سے بالکل کاٹ کر ایک مصنوعی ماحول میں بسانے کا التزام کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے جرمن قوم میں سطحی قسم کی جذباتیت پیدا ہوئی جس نے اس کی فکری صلاحیتوں کو وقتی طور پر بالکل معطل کر کے رکھ دیا۔

(۲) خرکار کی دوسری کوشش یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ اس کے زیرِ اثر آ گئے ہیں اُنہیں کسی نہ کسی طرح یہ باور کرا دیا جائے کہ اُن کی بھلائی اب اسی میں ہے کہ وہ اپنے آپ کو صرف اس کے دامن سے وابستہ رکھیں کیونکہ اس نے بغیر اُن کے لیے کوئی دوسرا چارہ کار ہی نہیں۔ اول تو وہ اس کے چنگل سے اب

نکل ہی نہیں سکتے کیونکہ فرار کی سب راہیں بالکل مسدود ہو چکی ہیں۔ دوسرے اگر وہ کبھی یہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب بھی ہو جائیں تو جس ماحول میں سے الگ کر کے انہیں یہاں لایا گیا ہے وہ اب اُن کے لیے بالکل اجنبی بن چکا ہے اور اس اجنبی ماحول میں اُن کی زندگی اجیرن ہو گی۔

قریب قریب یہی اندازِ فکر دنیا کے آمر اپنی قوم کے معاملے میں اختیار کرتے ہیں۔ وہ تختِ اقتدار پر متمکن ہونے کے لیے سحر کاروں کی طرح قوم کو سبز باغ دکھاتے ہیں اور عوام کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ انہیں ذرا عنانِ حکومت سنبھال لینے تو دو پھر دیکھو ان کے مصائب کس طرح دور ہوتے ہیں اور اُن کی محرومیاں کس طرح ختم ہوتی ہیں اور ملک سے بھوک، افلاس، بیروزگاری، ناانصافی، بدامنی کا کس طرح قلع قمع ہوتا ہے مگر جب اقتدار کا تخت ان کے قبضے میں آجاتا ہے اور وہ ان خوش کن وعدوں کو جن کے ذریعے انہوں نے اقتدار حاصل کیا ہوتا ہے پورا کرنے میں سخت ناکام ہوتے ہیں تو پھر اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے مسندِ اقتدار چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے بلکہ اس پر مسلط رہنے کے لیے یہ طرزِ عمل اور طرزِ استدلال اختیار کرتے ہیں: "چلیئے ہم مانتے ہیں کہ صاحبِ اقتدار شخصیت اپنے وعدوں کو پورا کرنے میں کافی حد تک ناکام رہی ہے مگر اُس کی ذات کے علاوہ اب ملک میں ہے کون جو ان وعدوں کو پورا کرنے کی صلاحیت اور حوصلہ رکھتا ہو؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اسے ہٹا کر ملک کا نظم و نسق بالکل درہم برہم کر دیا جائے اور اس طرح دشمن کے ناپاک عزائم کی تکمیل میں ان کی مدد کی جائے"۔ ملک کے اخبارات اور ابلاغ کے دوسرے ذرائع اس دلیل کا خوب پرچار کرتے ہیں اور قوم کے دل و دماغ میں اس خیال کو اس حد تک راسخ کر دیتے ہیں کہ وہ یہ سمجھنے لگتی ہے کہ اس کی زندگی بھلی یا بری تنہا اُس کی ذات سے وابستہ ہے۔ اور اگر خدانخواستہ وہ اقتدار سے دامن کش ہو گئی تو قوم لازمی طور پر تباہ ہو جائے گی۔ آمریت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ بلند بانگ دعووں، مسحور کن نعروں، ناقابلِ عمل پروگراموں کے ذریعے کسی قوم پر مسلط ہوتی ہے اور پھر "ناگزیر برائی" کے فلسفے کی افیون سے اُسے بیکار بنا کر زیادہ سے زیادہ مدت تک برداشت کرنے کا خوگر بناتی ہے۔ آمریت کے عروج و زوال کی پوری داستان کو تین فقروں میں سمیٹا جا سکتا ہے۔ اس کا آغاز جھوٹے نعروں سے ہوتا ہے۔ تشدد اس کی محافظت اور نگہبانی کرتا ہے۔ اور عوام کی بے حسی، دوں ہمتی اور بے بصیرتی اس کے عہد کو طوالت بخشتی ہے۔

(۴) پھر آمر خرکاروں کی طرح نہ صرف اپنے زیر تسلط انسانوں کے اندر خوف و ہراس کی مہیب فضا پیدا کرتے ہیں بلکہ ان کے اندر مختلف قسم کے مفادات اور ان مفادات کی بنیاد پر جتھہ بندیاں کر کے ایک دوسرے کے خلاف لڑاتے بھی رہتے ہیں تاکہ اُن کی قوت ضائع ہوتی رہے اور وہ کبھی بھی ظالم کے خلاف صف آرا نہ ہو سکیں۔ مثل مشہور ہے کہ مشترک خطرہ کسی قوم کے مختلف عناصر کو ایک دوسرے سے جوڑ دیتا ہے۔ آمر اس بات کو جانتے ہوئے اپنے گماشتوں کے ذریعے ایسے حالات پیدا کرتا ہے جن میں قوم کے مختلف طبقے شدید خطرات کے اندر بھی ایک دوسرے سے متحد نہ ہو سکیں۔ وہ ان کے درمیان منافرت کے بیج بوتا ہے اور جو لوگ بھی اس خدمت کے لیے تیار ہوں اُن کی ہر طرح مدد کرتا ہے۔ وہ کبھی قوم کی صلاحیتوں کو مجتمع نہیں ہونے دیتا بلکہ اُنھیں منتشر رکھنے کا باقاعدہ التزام کرتا ہے۔ ملک کے اندر جس طبقے میں بھی وہ کوئی جان محسوس کرتا ہے اُس پر تابڑ توڑ حملے کر کے اس کی قوت فنا کر دیتا ہے۔ اگر وہ یہ دیکھتا ہے کہ ملک کی انتظامیہ اس کے آمرانہ عزائم کی راہ میں حائل ہو سکتی ہے تو وہ انتظامیہ کو مفلوج کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اُس کے جاندار اعضا کو یا تو بڑی بے دردی اور سنگدلی سے کاٹ کر الگ کر دیتا ہے یا اُنھیں بالکل معطل بنا دیتا ہے تاکہ وہ کسی مرحلے پر بھی اس کی راہ میں مزاحم نہ ہو سکیں۔

انتظامیہ کے علاوہ دوسری بڑی طاقت جسے آمر اپنے سامنے بالکل بے بس بنا کر رکھتا ہے وہ فوج ہوتی ہے۔ فوج کے ساتھ اُس کا طرزِ عمل بڑا عجیب و غریب ہوتا ہے۔ وہ اس کی قوت و طاقت سے عوام پر اپنی گرفت مضبوط کرتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی اہتمام کرتا ہے کہ فوج اس کے ہاتھ میں بالکل بے دست و پا بن کر رہے اور وہ جس وقت جو کام بھی اس سے لینا چاہے بڑی آسانی سے لے سکے۔

انتظامیہ اور فوج کے علاوہ ملک میں ہر آن بڑھتی ہوئی مہنگائی، عدم تحفظ کا ہر لمحہ بڑھتا ہوا شدید احساس، محض جینے کے لیے حکمران اور حکمران پارٹی کی نگاہِ کرم کی احتیاج یہ سب چیزیں آمریت کے بقا کے لیے نہایت ضروری ہوتی ہیں۔ اگر عوام بھوک سے نڈھال نہ ہوں تو پھر وہ قومی مسائل کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں اور ان کا یہ طرزِ عمل آمریت کے ایوانوں میں تزلزل پیدا کرتا ہے۔ اگر اُن کے اندر عدمِ تحفظ کے احساس کے بجائے احساسِ تحفظ پیدا ہوا اور اُنھیں یہ معلوم ہو کہ حکومت سے اختلاف رائے کے باوجود اُن کے جان و مال محفوظ ہیں تو پھر وہ حکومت کی پالیسیوں پر لب کشائی کی جسارت کرنے لگتے ہیں جس سے آمریت کے محل میں شگاف پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اور اگر عوام یہ محسوس کریں کہ اُن کی زندگی حکمرانوں کی چشم التفات کی (باقی صفحہ ۸۴ پر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان

[یہ اُس کتاب کا ایک باب ہے جو میری مختلف کتابوں اور مضامین سے سیرت پاک پر مرتب کی جارہی ہے۔ اس میں جہاں "اضافہ از مؤلف" لکھا گیا ہے وہ نیا اضافہ ہے اور جہاں کوئی عبارت میری کسی کتاب سے نقل کی گئی ہے وہاں اس کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔ ابوالاعلیٰ]

حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ بات تاریخی طور پر مسلّم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل کی اُس شاخ سے تھا جو اُن کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ سے چلی ہے اور بنی اسماعیل کہلاتی ہے۔ حضورؐ کی سیرت سے اِس معاملہ کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ آپ کے ذکرِ مبارک کو حضرت ابراہیم و اسماعیل کے حالات سے ہی شروع ہونا چاہیے، کیونکہ اس کے بغیر نہ یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ عراق کا یہ خاندان اندرونِ عرب کے ایک دور دراز مقام، مکہ کیسے پہنچا، یہاں قبلۂ اہلِ توحید کی بنا کیسے پڑی، اور عرب کے اکثر و بیشتر قبائل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا رشتہ تھا جس کی وجہ سے آپ اِس ملک میں ایک غیر معروف نہیں بلکہ خوب جانی بوجھی شخصیت تھے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے حضرت ابراہیمؑ عراق کے رہنے والے تھے۔ اُن کا وطن اُر، عراق کے نمرود خاندان کا دارالسلطنت تھا۔ ۲۱۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ زمانے میں، جو بالعموم محققین کے نزدیک حضرت ابراہیمؑ کے ظہور کا زمانہ سمجھا جاتا ہے، یہ ایک بہت بڑا مرکزِ تمدن و تجارت تھا، اور اس کے ساتھ ساتھ اس قوم کے شرک کا گڑھ بھی یہی تھا۔ حضرت ابراہیم نے جب اس قوم میں شرک کی مخالفت اور توحید کی دعوت کا آغاز کیا تو ملک کی حکومت، ساری قوم، ان کا اپنا خاندان، حتیٰ کہ اُن کا باپ بھی اُن کا دشمن ہو گیا، اور جب وہ سب اُن کو ڈرا دھمکا کر اس کام سے باز رکھنے میں ناکام ہو گئے تو آخر کار انہوں نے متفق ہو کر آنجنابؑ کو زندہ جلا دینے کے لیے آگ سے بھری ہوئی ایک خندق میں پھینک دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے آگ کو

ٹھنڈا کر دیا اور آپ اِس خندق سے زندہ و سلامت نکل آئے۔ یہ قصہ تفصیل کے ساتھ قرآن مجید میں مذکور ہے (ملاحظہ ہو الانبیاء آیات ۶۸-۶۹۔ العنکبوت، آیت ۲۴ ۔ الصّٰفّٰت، ۹۷-۹۸)۔

قرآن مجید کا بیان ہے کہ اس کے بعد آپ اپنا وطن چھوڑ کر سرزمین شام و فلسطین کی طرف ہجرت کر گئے جو اُس زمانہ میں ارضِ کنعان کہلاتی تھی۔ اِس ہجرت میں اُن کے بھتیجے حضرت لوطؑ ان کے ساتھ تھے کیونکہ وہی ان کی قوم میں سے ایمان لائے تھے اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا۔ دوسری رفیق حضرت ابراہیم کی بیوی سارہ تھیں جنہوں نے مرتے دم تک آپ کا ساتھ دیا۔ اس باب میں قرآن مجید کی تصریحات حسب ذیل ہیں :۔

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ۔

(الصّٰفّٰت ۹۷-۹۹)

انہوں نے آپس میں کہا "اس کے لیے ایک الاؤ تیار کرو اور اسے دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دو۔" انہوں نے اس کے خلاف ایک کارروائی کرنی چاہی تھی مگر ہم نے انہی کو نیچا دکھا دیا۔ اور ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں (یعنی ہجرت کرتا ہوں) وہی میری رہنمائی فرمائے گا۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ . . . . . . فَآمَنَ لَهُ لُوطٌ ۔ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔

(العنکبوت ۲۴ تا ۲۶)

پھر اس قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا "قتل کر دو یا جلا ڈالو اس کو" آخر کار اللہ نے اسے آگ سے بچا لیا..... اُس وقت لوط نے اُس کو (یعنی حضرت ابراہیم کو) مانا اور ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں، وہ زبردست اور حکیم ہے۔

وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ

(الانبیاء ۔ ۷۱)

اور ہم اسے (یعنی حضرت ابراہیم کو) اور لوط کو بچا کر اس سرزمین کی طرف نکال لے گئے جس میں ہم نے دنیا والوں کے لیے

برکتیں رکھی ہیں [1]

وَلُوطًا آتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (الانبیاء - ۷۴) اور لوط کو ہم نے حکم اور علم بخشا (یعنی نبوت عطا کی)۔

وَإِنَّ لُوطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِينَ۔ اور لوط بھی ان لوگوں میں سے تھا جو

(الصّٰفّٰت - ۱۳۳) رسول بنائے گئے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی اس ہجرت کے بعد ان کی قوم کا کیا انجام ہوا؟ اس کی کوئی تفصیل قرآن مجید میں نہیں آئی ہے، مگر سورۂ توبہ آیت ۷۰ میں اُس کا ذکر بھی اُن قوموں میں کیا گیا ہے جو عذاب میں مبتلا کی گئیں۔

رہی یہ بات کہ ہجرت میں حضرت لوطؑ کے ساتھ حضرت سارہ بھی حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ تھیں، تو اس کی تصریح اگرچہ قرآن میں نہیں کی گئی ہے، لیکن قرآن کے بعض بیانات سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ ہجرت کے وقت حضرت ابراہیمؑ شادی شدہ تھے اور ان کی اہلیہ ہجرت میں ان کے ساتھ شریک تھیں۔ مثلاً سورۂ صافات میں ہے کہ ہجرت کرتے وقت حضرت ابراہیم نے دعا فرمائی رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ۔ "میرے پروردگار مجھے صالح اولاد عطا فرما"۔ یہ دعا ایک شادی شدہ آدمی ہی کر سکتا تھا اور وہ بھی اُس صورت میں جبکہ وہ وطن سے ہجرت کرتے وقت یہ دعا کر رہا ہو۔ بائیبل کے تاریخی بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اس ہجرت میں حضرت سارہ شامل تھیں۔ لیکن اس سلسلہ میں بائبل کے دوسرے بیانات بالکل بے سروپا ہیں۔ مثلاً وہ کہتی ہے کہ حضرت سارہ حضرت لوطؑ کی حقیقی بہن اور حضرت ابراہیمؑ کی سگی بھتیجی تھیں جن سے انہوں نے نکاح کیا تھا، اور اس ہجرت میں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ اُن کا باپ بھی شریک تھا (پیدائش، باب ۱۱ فقرات ۲۷ تا ۳۲)۔ حالانکہ صرف قرآن ہی نہیں تلمود بھی یہ شہادت دیتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ پر دعوتِ توحید کی پاداش میں جو مظالم کیے گئے تھے اُن میں خود اُن کا باپ بھی شریک تھا (منتخبات تلمود از ایچ پولانو، لندن، صفحہ ۳۰ تا ۴۲)۔ نیز یہ بات خدا کی کسی شریعت میں بھی جائز نہ تھی کہ کوئی شخص اپنی سگی بھتیجی سے شادی کرے، کجا کہ ایک نبی اس کا مرتکب ہو۔ (اضافہ از مؤلف)

حضرت ابراہیمؑ کی تبلیغی سرگرمیاں حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ابراہیمؑ پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی

---

[1] برکت والی زمین اور بستیوں سے مراد شام و فلسطین کا علاقہ ہے جیسے سورۂ اعراف آیت ۱۳۷، بنی اسرائیل آیت ۱، اور الانبیاء آیت ۸۱ میں بھی اسی لقب سے یاد کیا گیا ہے (تفہیم القرآن، جلد چہارم، سبا، حاشیہ ۳۱)۔

عالمگیر دعوت پھیلانے کے لیے مقرر کیا تھا۔ انہوں نے پہلے خود عراق سے مصر تک اور شام و فلسطین سے ریگستانِ عرب کے مختلف گوشوں تک برسوں گشت لگا کر اللہ کی اطاعت و فرماں برداری (یعنی اسلام) کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ پھر اپنے اس مشن کی اشاعت کے لیے مختلف علاقوں میں خلیفہ مقرر کیے۔ شرق اُردن میں اپنے بھتیجے حضرت لُوطؑ کو، شام و فلسطین میں اپنے بیٹے حضرت اسحٰاق کو، اور اندرونِ عرب میں اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو مامور کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکے میں وہ گھر تعمیر کیا، جس کا نام کعبہ ہے اور اللہ ہی کے حکم سے وہ اس مشن کا مرکز قرار پایا۔

حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے دو بڑی شاخیں نکلیں: ایک حضرت اسماعیلؑ کی اولاد جو عرب میں رہی۔ قریش اور عرب کے بعض دوسرے قبائل کا تعلق اسی شاخ سے تھا۔ اور جو عرب کے قبیلے نسلاً حضرت اسماعیلؑ کی اولاد نہ تھے وہ بھی چونکہ اُن کے پھیلائے ہوئے مذہب سے کم و بیش متاثر تھے، اس لیے وہ اپنا سلسلہ انہی سے جوڑتے تھے[۱]۔ دوسرے حضرت اسحاقؑ کی اولاد، جن میں حضرات یعقوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور بہت سے انبیاء علیہم السلام پیدا ہوئے اور حضرت یعقوبؑ کا نام چونکہ اسرائیل تھا اس لیے یہ نسل بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔ اُن کی تبلیغ سے جن دُوسری قوموں نے ان کا دین قبول کیا، انہوں نے یا تو اپنی انفرادیت بھی اُن کے اندر گم کر دی، یا وہ نسلاً تو اُن سے الگ رہے، مگر مذہباً ان کے مُتبع رہے۔ اسی شاخ میں جب پستی و تنزّل کا دور آیا، تو پہلے یہودیت اور پھر عیسائیت نے جنم لیا۔

حضرت ابراہیمؑ کا اصل کام دنیا کو اللہ کی اطاعت کی طرف بلانا اور اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے مطابق انسانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا نظام درست کرنا تھا۔ وہ خود اللہ کے مطیع تھے، اس کے دیے ہوئے علم کی پیروی کرتے تھے، دنیا میں اُس علم کو پھیلاتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ سب انسان مالکِ کائنات کے مطیع ہو کر رہیں۔ یہی خدمت تھی، جس کے لیے وہ دنیا کے

---

[۱] چونکہ حضورؐ کے دور تک ڈھائی ہزار سال کے دوران میں اولادِ اسماعیل کے مختلف خاندانوں نے اہلِ عرب کے دوسرے بہت سے خاندانوں کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات قائم کیے تھے، اس لیے جیسا کہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے، یہ دوسرے خاندان بھی اِس مقدس خاندان کے ساتھ رشتہ داری کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے تھے اور اپنے نسب ناموں میں اس کا ذکر کرتے تھے۔ (حاشیہ از مؤلف)

امام و پیشوا بنائے گئے تھے۔ اُن کے بعد یہ امامت کا منصب اُن کی نسل کی اُس شاخ کو ملا جو حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ سے چلی اور بنی اسرائیل کہلائی۔ اسی میں انبیاء پیدا ہوتے رہے، اسی کو راہِ راست کا علم دیا گیا، اسی کے سپرد یہ خدمت کی گئی کہ اس راہِ راست کی طرف اقوامِ عالم کی رہنمائی کرے، اور یہی وہ نعمت تھی جسے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بار بار اس نسل کے لوگوں کو یاد دلایا ہے۔ اس شاخ نے حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں بیت المقدس کو اپنا مرکز قرار دیا۔ اس لیے جب تک یہ شاخ امامت کے منصب پر قائم رہی، بیت المقدس ہی دعوت الی اللہ کا مرکز اور خدا پرستوں کا قبلہ رہا۔

(تفہیم القرآن جلد اوّل البقرہ حاشیہ ۱۲۳)

حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش اولادِ ابراہیم کی دوسری شاخ، بنی اسرائیل میں جو دوسرے عیوب پیدا ہوئے ان میں سے ایک عیب یہ بھی تھا کہ تاریخ کو مسخ کر کے ہر فخر کو وہ اپنے لیے مخصوص کرنے لگے، اور جن جن دوسری قوموں سے تاریخ کے دوران میں ان کی کشمکش یا رقابت رہی اُن سب کا منہ کالا کرنے کی انہوں نے پوری کوشش کی۔ اس کی بہت سی مثالوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے نزدیک حضرت لوطؑ سرے سے پیغمبر ہی نہ تھے اور کسی دعوت کے کام پر حضرت ابراہیم نے اُن کو مامور کر کے ارضِ سدوم میں نہیں بھیجا تھا، بلکہ دونوں چچا بھتیجوں میں جھگڑا ہو گیا تھا اور چچا نے بھتیجے کو الگ کہیں اور جا بسنے کے لیے کہہ دیا تھا (پیدائش، باب ۱۳، فقرات ۵ تا ۱۲)۔ دوسری اس سے بھی زیادہ گھناؤنی مثال یہ ہے کہ بائیبل کی رو سے جب قومِ لوط پر عذاب آیا تو حضرت لوطؑ اپنی دو بیٹیوں کو لے کر وہاں سے نکل گئے، اور اپنے چچا کے پاس نہیں گئے جو ارضِ سدوم سے قریب ہی فلسطین کے شہر حبرون میں رہتے تھے، بلکہ ایک غار میں جا کر رہنے لگے۔ وہاں معاذ اللہ ان کی دونوں بیٹیوں نے ان کو شراب پلا کر ان سے ہم آغوشی کی جس سے دونوں حاملہ ہو گئیں۔ ایک سے موآب پیدا ہوا جو موآبیوں کا باپ ہے اور دوسری سے بن عمی پیدا ہوا جو بنی عمّون کا باپ ہے (پیدائش، باب ۱۹۔ فقرات ۳۰ تا ۳۸)۔ یہ ڈھنگ ہے جس سے بنی اسرائیل نے موآبیوں اور عمّونیوں کے خلاف اپنے دل کا بغض نکالا ہے، کیونکہ بعد کی تاریخ میں اِن قبیلوں سے اُن کی سخت کشمکش برپا رہی ہے۔

ایسا ہی معاملہ ان لوگوں نے بنی اسماعیل سے بھی کیا ہے۔ بائیبل میں وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ حضرت ہاجرہؓ، حضرت سارہؓ کی کنیز تھیں۔ حضرت سارہ نے یہ دیکھ کر کہ وہ بے اولاد ہیں، حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ آپ میری لونڈی کے پاس جائیں تاکہ میرا گھر تو کسی طرح آباد ہو۔ چنانچہ ان کے کہنے پر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت

ھاجرہ سے تمتّع کیا اور ان سے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے (پیدائش، باب ۱۶- فقرات ۱ تا ۴-۱۵-۱۶)- حالانکہ بائیبل کی اِسی کتاب پیدائش کے باب ۱۲ فقرہ ۱۶ میں بتایا گیا ہے کہ اُس وقت کے فرعون نے بہت مال مویشی اور غلام اور کنیزیں حضرت ابراہیمؑ کو ہدیے میں دی تھیں جن میں سے ایک حضرت ھاجرہ بھی تھیں- اس لیے حضرت ھاجرہ کو حضرت سارہ کی کنیز قرار دینا خود بائیبل کی رو سے غلط ہے، اور ان سے تمتّع کرنے کے لیے حضرت ابراہیمؑ حضرت سارہ کی اجازت کے محتاج نہ تھے-

پھر بائیبل بیان کرتی ہے کہ حضرت اسماعیلؑ فلسطین ہی میں حضرت ابراہیم کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ جب وہ ۱۴ برس کے تھے اس وقت حضرت ابراہیم کے ہاں حضرت سارہ سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے (پیدائش، باب ۱۸- فقرات ۴ تا ۲۶- اور باب ۲۱- فقرات ۱ تا ۵)- اس کے بعد بائیبل کہتی ہے:

"اور وہ لڑکا (یعنی حضرت اسحاق) بڑھا اور اس کا دودھ چھڑایا گیا اور اضحاق کے دودھ چھڑانے کے دن ابراہام نے بڑی ضیافت کی- اور سارہ نے دیکھا کہ ھاجرہ مصری کا بیٹا جو اس کے ابراہام سے پیدا ہوا تھا ٹھٹھے مارتا ہے- تب اس نے ابراہام سے کہا کہ اِس لونڈی کو اور اس کے بیٹے کو نکال دے کیونکہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اضحاق کے ساتھ وارث نہ ہوگا- ابراہام کو اس کے بیٹے کے باعث یہ بات بری معلوم ہوئی- اور خدا نے ابراہام سے کہا کہ تجھے اِس لڑکے اور اپنی لونڈی کے باعث بُرا نہ لگے- جو کچھ سارہ تجھ سے کہتی ہے تو اُس کی بات مان...... تب ابراہام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور اسے ہاجرہ کو دیا بلکہ اس کے کندھے پر دھر دیا اور لڑکے کو بھی اس کے ساتھ رخصت کر دیا- سو وہ چلی گئی اور بیرسبع کے بیابان میں آوارہ پھرنے لگی- اور جب مشک کا پانی ختم ہو گیا تو اس نے لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا اور آپ اس کے مقابل ایک تیر کے ٹپے پر دور جا بیٹھی اور کہنے لگی کہ میں اس لڑکے کا مرنا تو نہ دیکھوں- سو وہ اس کے مقابل بیٹھ گئی اور چلا چلا کر رونے لگی- اور خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا؟ مت ڈر، کیونکہ خدا نے اُس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا ہے اس کی آواز سن لی ہے- اُٹھ اور لڑکے کو اُٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کیونکہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا- پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جا کر مَشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو پلایا اور خدا اس

لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا۔ اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے اس کے لیے بیوی لی (پیدائش۔ باب ۲۱۔ فقرات ۸ تا ۲۱)۔

یہ پوری جھوٹی داستان اس لیے گھڑی گئی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا عرب، اور مکہ اور کعبہ اور زمزم سے کوئی تعلق سرے سے ظاہر ہی نہ ہو، کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کے سفرِ عرب پر بالکل پردہ ڈال دینے، اور حضرت اسماعیلؑ کے ۱۴ برس تک فلسطین میں قیام اور اس کے بعد یا لآخر بیابانِ فاران میں ان کے رہنے اور وہیں پانی کا کنواں برآمد ہونے اور مصر کی کسی عورت سے اُن کی شادی ہونے کا ذکر اسلام کی تاریخ کے اُس پورے باب پر خطِ نسخ پھیر دیتا ہے جس کا تعلق دینِ ابراہیمی کے عربی مرکز سے ہے۔ بائیبل میں فاران کے بیابان کا جو ذکر مختلف مقامات پر کیا گیا ہے اس کی رو سے وہ فلسطین کے جنوب، وادی عَرَبَہ کے مغرب، دشتِ سینا کے شمال اور مصر و بحر روم کے مشرق میں واقع تھا، عرب کے جبالِ فاران سے اُس کا کوئی تعلق نہ تھا جن میں مکہ واقع ہے۔ اس پر مزید حضرت سارہ اور حضرت ابراہیمؑ کی جو گھناؤنی سیرت اس داستان میں پیش کی گئی ہے، اور جس میں ساتھ ساتھ خود اللہ تعالیٰ کو بھی ملوّث کر دیا گیا ہے اس سے خود بنی اسرائیل کے اخلاقی تصورات کی پستی ظاہر ہوتی ہے۔ اس میں ایک پیغمبر (حضرت ابراہیمؑ) کی بیوی اور دوسرے پیغمبر (حضرت اسحاقؑ) کی والدہ اس صورت میں ہمارے سامنے آتی ہیں کہ وہ سوکن کے نوجوان بیٹے کا ہنسنا تک برداشت نہیں کرتیں اور شوہر کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ اسے اور اس کے لڑکے کو اپنی وراثت سے محروم کر کے گھر سے نکال دے۔ شوہر جو ایک جلیل القدر پیغمبر ہیں، اس شکل میں ہمارے سامنے آتے ہیں کہ وہ اپنے ۱۵-۱۶ برس کے بیٹے کو اس کی ماں سمیت صرف روٹی اور پانی کا ایک مشکیزہ دے کر بیابان میں چھوڑ دیتے ہیں اور پھر اس کی پروا نہیں کرتے کہ یہ مرتے ہیں یا جیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہمیں دکھائی جاتی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے جدِّ امجد حضرت اسحاق اور ان کی ماں کی خاطر حضرت ابراہیمؑ کو یہ ہدایت فرماتا ہے کہ اسحاقؑ کی ماں سوکناپے کے جلاپے کی بنا پر اُن سے جس ظلم کی فرمائش کر رہی ہیں اس کا وہ ارتکاب کر ڈالیں۔ یہ ساری داستان خود اپنی داخلی شہادت کی بنا پر جھوٹ کی ایک پوٹ ہے۔ تاریخ کے باعزت نام سے اس کو موسوم کرنا لفظ تاریخ کی توہین ہے۔

اس کے مقابلے میں صحیح تاریخ ہم کو قرآن و حدیث سے معلوم ہوتی ہے جس کی تائید ۴ ہزار برس کی متواتر روایات کرتی ہیں جو اہل عرب میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہی ہیں۔

قرآن مجید کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے وطن سے ہجرت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ ۔ "میرے پروردگار، مجھے صالح اولاد عطا فرما" (الصّٰفّٰت ۔۔۔۱۰۰)۔ یہ دعا ایک طویل مدت گزرنے کے بعد پوری ہوئی جب کہ حضرت ابراہیم بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید ہی میں حضرت ابراہیم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ "شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیلؑ اور اسحاقؑ عطا کیے" (ابراہیم ۔ ۳۹)۔ ان دونوں صاحبزادوں کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اُن کے پیدا ہونے کی بشارت دے دی تھی۔ پہلے حضرت اسماعیلؑ کی بشارت اِن الفاظ میں دی کہ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ ۔ "پس ہم نے اس کو ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی" (الصّٰفّٰت ۔ ۱۰۱)۔ اور اس کے کئی سال بعد، جب حضرت اسماعیلؑ جوانی کی عمر کے قریب پہنچ چکے تھے، دوسرے صاحبزادے کی بشارت یوں دی وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيمٍ ۔ "اور فرشتوں نے اُن کو (یعنی حضرت ابراہیم کو) ایک ذی علم لڑکے کی خوشخبری دی" (الذّٰریٰت ۲۸)۔ یہ دوسری بشارت جب دی گئی تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا اَبَشَّرْتُمُوْنِي عَلٰى اَنْ مَسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۔ "کیا تم اس بڑھاپے میں مجھے اولاد کی بشارت دیتے ہو؟ بھلا سوچو تو سہی کہ یہ کیسی بشارت ہے جو تم دے رہے ہو"؟ (الحجر ۔ ۵۴)۔ اور حضرت سارہ کا بشارت سن کر یہ حال ہوا فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۔ "اُس کی بیوی چیختی ہوئی آگے بڑھی اور اس نے اپنا منہ پیٹ لیا اور کہنے لگی بوڑھی بانجھ" (الذّٰریٰت ۲۹)۔ ان آیات کی بنا پر بائیبل کے اس بیان کو صحیح سمجھا جاسکتا ہے کہ ۸۶ سال کی عمر میں حضرت ابراہیمؑ کے ہاں حضرت اسماعیلؑ، اور سو سال کی عمر میں حضرت اسحاق پیدا ہوئے (پیدائش، باب ۱۶، فقرہ ۱۶۔ اور باب ۲۱۔ فقرہ ۵)۔

حضرت اسماعیلؑ کا مکہ میں آباد کیا جانا اوپر کے بیان سے یہ بات تو معلوم ہو چکی کہ حضرت اسماعیلؑ اپنے والد ماجد کے پہلے بیٹے تھے جو بڑھاپے میں پیدا ہوئے تھے۔ ایک عام باپ کو اس عمر میں اولاد نصیب ہونا اس بات کا متقاضی تھا کہ وہ اس بچے کو (جو پہلوٹھا ہی نہیں بلکہ چودہ برس تک اکلوتا بھی تھا) سینے سے لگا کر رکھتا اور آنکھوں سے اس کا اوجھل ہونا بھی گوارا نہ کرتا۔ مگر حضرت ابراہیمؑ پیغمبر تھے جن کے لیے سب سے مقدم چیز وہ دعوتِ حق تھی جس کی خاطر انھوں نے وطن میں مظالم سہے، ہجرت کی، دیارِ غیر کی برسوں خاک چھانتے پھرے، اور ہر جگہ خدا کا پیغام پہنچانے میں اپنی ساری طاقتیں اور محنتیں خرچ کر دیں۔ اس عزیز و محبوب بچے کی پیدائش کے بعد اُن کو سب سے پہلے یہ فکر ہوئی کہ عرب میں دعوت توحید کے اُس مرکز کی بنا ڈال دیں جہاں سے دنیا میں آخری نبوت کا ظہور

ہونا تھا اور جسے قیامت تک کے لیے اِس دعوت کا مرکز رہنا تھا۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی حضرت ابراہیمؑ کو اُس مقام کی نشان دہی کر دی تھی جہاں اِس مرکز کی تعمیر مطلوب تھی، چنانچہ سورۂ حج میں ارشاد ہوا ہے کہ وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ ۔ "یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیم کے لیے اس گھر (خانۂ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی" (آیت ۲۶)۔ اِس ہدایت کے مطابق اللہ کے اُس عظیم بندے نے اپنے چھوٹے سے بچے کو، جو ابھی دودھ ہی پی رہا تھا، اُس کی حیرت انگیز صبر و توکل رکھنے والی ماں کے ساتھ، ٹھیک اُس مقام پر لے جا کر بظاہر بالکل بے سہارا چھوڑ دیا جہاں آخر کار اُن کو خانۂ کعبہ تعمیر کرنا تھا۔

بخاری میں اس واقعہ کو حضرت عبداللہ بن عباس کے حوالہ سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور اس روایت میں جس طرح ابن عباسؓ نے جگہ جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نقل کیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ بیان کر رہے ہیں وہ حضورؐ سے سن کر بیان کر رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے اسماعیلؑ کو، جبکہ وہ ابھی دودھ پی رہے تھے، لے کر آئے اور ان کو ایک درخت کے نیچے اُس جگہ چھوڑ دیا جہاں بعد میں زمزم نکلا۔ مکہ کی سنسان وادی میں اس وقت کوئی ایک انسان بھی موجود نہ تھا اور نہ کہیں پانی پایا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے چمڑے کا ایک تھیلا، جس میں کھجوریں تھیں، اور پانی کا ایک مشکیزہ حضرت ہاجرہ کو دیا اور واپس روانہ ہو گئے۔ وہ اُن کے پیچھے چلیں اور کہنے لگیں اے ابراہیم کہاں جا رہے ہو؟ اور ہمیں اِس سنسان بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑے جاتے ہو؟ یہ بات حضرت ہاجرہ نے کئی مرتبہ کہی مگر حضرت ابراہیمؑ نے پلٹ کر نہ دیکھا[۱]۔ آخر حضرت ہاجرہ نے کہا کیا اللہ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ جواب میں انہوں نے بس اتنا فرمایا کہ ہاں۔ اس پر وہ بولیں کہ اگر یہ بات ہے تو اللہ ہمیں ضائع نہیں

۱؎ پلٹ کر نہ دیکھنے کی وجہ بے دردی اور بے پروائی نہ تھی۔ حضرت ابراہیمؑ پیغمبر عظیم ہی سہی، بہر حال تھے تو انسان ہی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اِتنا بڑا خطرہ مول لے رہے تھے کہ پہاڑوں کے درمیان ایک سنسان وادی میں اپنے دودھ پیتے بچے اور اس کی ماں کو چھوڑے جا رہے تھے۔ اُس وقت ان کے دل پر جو کچھ گزر رہی ہو گی اس کا اندازہ اِس صورت حال کا تصور کر کے ہر شخص کر سکتا ہے۔ اس حالت میں اگر وہ بیوی اور بچے کی طرف پلٹ کر دیکھتے تو ممکن ہے کہ دل بھر آتا اور ارادے میں تزلزل پیدا ہو جاتا۔ اس لیے سینے پر پتھر رکھ کر چل پڑے اور جب پیچھے آنے والی بیوی نے بار بار پوچھا تو اس کی طرف دیکھے بغیر بس ہاں کہہ دیا۔

فرمائے گا۔ اور پلٹ کر بیٹے کے پاس آبیٹھیں۔ حضرت ابراہیمؑ جب پہاڑ کی اوٹ میں پہنچے جہاں سے یہ ماں بیٹے نظر نہ آتے تھے تو بیت اللہ کی طرف، (یعنی اس جگہ کی طرف جہاں آخر کار انہیں بیت اللہ تعمیر کرنا تھا) رخ کیا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ؕ" پروردگار، میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔ پروردگار یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ یہاں نماز قائم کریں، لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انہیں کھانے کو پھل دے شاید کہ یہ شکر گزار بنیں" (ابراہیم - ۳۷)۔ ادھر اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ان کو دودھ پلاتی رہیں اور مشکیزہ کا پانی پیتی رہیں۔ جب پانی ختم ہو گیا تو انہیں اور بچے کو پیاس لگنی شروع ہوئی۔ وہ بچے کو تڑپتا ہوا دیکھتی رہیں۔ آخر بچے کی حالت ان سے نہ دیکھی گئی اور وادی کی طرف یہ دیکھنے کے لیے چل پڑیں کہ کوئی آدمی نظر آئے، مگر کوئی نظر نہ آیا۔ پھر صفا کی پہاڑی سے اتر کر وادی کے بیچ میں آئیں اور اپنا بازو اٹھا کر اس طرح دوڑیں جیسے کوئی مصیبت زدہ انسان دوڑتا ہے۔ پھر مروہ کی پہاڑی پر چڑھ کر دیکھنے لگیں کہ کوئی آدمی نظر آتا ہے یا نہیں۔ مگر کوئی نظر نہ آیا۔ یہ فعل انہوں نے سات مرتبہ (صفا اور مروہ کے درمیان) کیا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی وجہ سے لوگ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں[1]۔ آخری مرتبہ جب وہ مروہ کی پہاڑی پر چڑھیں تو انہوں نے ایک آواز سنی۔ اپنے آپ سے کہنے لگیں "چپ رہ" (یعنی شور مچانا بند کر) اور غور سے سننے لگیں۔ آواز پھر آئی۔ انہوں نے کہا "اے شخص، تو نے اپنی آواز مجھے سنا دی، کیا تیرے پاس میری فریاد رسی کے لیے کچھ ہے؟" یکایک انہوں نے زمزم کے مقام پر ایک فرشتہ دیکھا (ابراہیم بن نافع اور ابن جُریج کی روایت میں ہے کہ جبریلؑ کو دیکھا) کہ وہ اپنی ایڑی یا

---

[1] یہ اس واقعہ کا اہم ترین تاریخی ثبوت ہے۔ کعبہ کی تعمیر کے بعد جب سے حج کا سلسلہ حضرت ابراہیمؑ ہی کے زمانے میں شروع ہوا اُس وقت سے آج تک سینکڑوں، پھر ہزاروں، پھر لاکھوں پھر کروڑوں انسان اس واقعہ کی یاد میں سعی بین الصفا والمروہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہ ہزاروں برس کا متواتر عمل جو بلا انقطاع اُس وقت سے آج تک ہو رہا ہے، اس واقعہ کا ایسا ثبوت ہے جس سے بڑھ کر کسی تاریخی واقعہ کا ثبوت دنیا میں موجود نہیں ہے۔ اس کے برعکس بائیبل بیا بانِ فاران کا جو واقعہ بیان کرتی ہے وہاں نہ پہلے کبھی اس طرح کی سعی ہوئی، نہ آج ہو رہی ہے۔

بازو سے زمین کھود رہے ہیں، یہاں تک کہ پانی نکل آیا۔ حضرت ہاجرہ لپ بھر بھر کر وہ پانی مشکیزہ میں بھرنے لگیں اور جیسے جیسے وہ پانی بھرتی گئیں پانی ابل ابل کر اوپر آتا رہا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ اسماعیلؑ کی ماں پر رحمت فرمائے، اگر وہ زمزم کو اسی حالت پر چھوڑ دیتیں (یعنی چاروں طرف مٹی ڈال کر اسے نہ گھیر لیتیں) تو زمزم بہتا ہوا چشمہ ہوتا"۔ اس طرح حضرت ہاجرہ پانی پینے لگیں اور اپنے بچے کو دودھ پلانے لگیں۔ فرشتے نے ان سے کہا "ضائع ہونے کا اندیشہ نہ کرو۔ یہاں اللہ کا گھر ہے جسے یہ بچہ اور اس کا باپ دونوں تعمیر کریں گے اور اللہ اس گھر کے لوگوں کو ضائع نہیں کرے گا"۔ یہ حالت کچھ مدت رہی تھی کہ قبیلۂ جرہمؔ[1] کے کچھ لوگ کدا کی طرف سے آئے اور مکہ کے نیچے کی طرف ٹھہرے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک پرندہ ایک مقام کے گرد اڑ رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ "یہ پرندہ تو پانی پر چکر لگا رہا ہے۔ ہم اس سے پہلے بھی اس وادی سے گزرے ہیں مگر یہاں کوئی پانی نہ تھا"۔ پھر انہوں نے اپنے ایک دو آدمی بھیجے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں پانی موجود ہے۔ انہوں نے واپس جا کر ان لوگوں کو اس کی خبر دی۔ وہ آئے تو حضرت اسماعیلؑ کی والدہ کو وہاں پایا۔ انہوں نے کہا کیا تم ہمیں اجازت دیتی ہو کہ ہم تمہارے پاس اتر جائیں؟ انہوں نے کہا ہاں، مگر پانی تمہارا نہیں بلکہ میرا ہے۔ انہوں نے یہ بات مان لی۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس جرہمی نے اسماعیلؑ کی ماں کو ملنسار پایا، اور وہ خود بھی چاہتی تھیں کہ کچھ انسان یہاں آباد ہوں"۔ چنانچہ وہ لوگ وہاں ٹھہر گئے اور اپنے خاندان والوں کو بھی وہاں بلا لیا یہاں تک کہ کئی خاندان وہاں بس گئے۔ حضرت اسماعیلؑ انہی لوگوں میں پلے بڑھے اور انہی سے عربی زبان سیکھی[2]۔ جرہمیوں کو یہ لڑکا بہت پسند آیا اور وہ یہ چاہنے لگے کہ انہی کے ہاں اس لڑکے کی شادی ہو۔

بیٹے کی قربانی کا واقعہ حضرت ابراہیمؑ اپنے پیارے بیٹے اور بیوی کو اس وادی میں چھوڑ کر ان سے بے پروا نہیں ہو گئے تھے بلکہ وقتاً فوقتاً خبر گیری کے لیے آتے اور کچھ مدت تک قیام[3] کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابراہیم نے اسی جگہ اپنی بیوی اور دودھ پیتے بیٹے کو چھوڑتے وقت دعا مانگی تھی کہ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا "اے میرے رب، اس کو پرامن شہر بنا دے"۔ ٹھیک اس دعا کے مطابق وہی سنسان مقام اب ایک بستی بن چکا تھا اور یہ بات

---

[1] یہ یمن کے قدیم قحطانی عربوں کا ایک قبیلہ تھا۔

[2] عربی حضرت ابراہیمؑ کی زبان نہ تھی کیونکہ وہ عراق کے رہنے والے تھے اور پھر کنعان میں آباد ہوئے۔ حضرت ہاجرہ کی زبان بھی عربی نہ تھی کیونکہ وہ مصری تھیں۔

عین قرین قیاس ہے کہ حضرت ابراہیم نے اس دوران میں اس جگہ بسنے والے جرہمیوں کے اندر اسلام کی تبلیغ بھی ضرور کی ہوگی۔ اس کے بعد وہ واقعہ پیش آیا جو تاریخ انسانی میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، یعنی حضرت ابراہیمؑ اپنے بڑھاپے کی اولاد، اپنے پہلوٹھے اور اکلوتے بیٹے کو، ایسی حالت میں جبکہ وہ جوانی کی عمر کے قریب پہنچ رہا تھا، اپنے رب کا ایک اشارہ پاتے ہی قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ قرآن مجید میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ۔

(الصّٰفّٰت۔ ۱۰۲ تا ۱۰۷)

پھر جب وہ لڑکا اُس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک روز) ابراہیم نے کہا "بیٹا، میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اب تو بتا، تیرا کیا خیال ہے؟" اس نے کہا "ابا جان، جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالیے۔ آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔" آخر کو جب ان دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا اور ہم نے اس کو ندا دی کہ "اے ابراہیم، تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔" اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا۔

یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا تھا اور حضرت ابراہیمؑ جس مقام پر بیٹے کو قربانی کے لیے لے گئے تھے وہ منیٰ کا مقام تھا جہاں آج تک اُسی تاریخ (۱۰ ذی الحجہ) کو قربانیاں کی جا رہی ہیں[۵]۔ نیز یہ واقعہ اُس وقت پیش آیا تھا جب حضرت اسماعیلؑ کی عمر ۱۲-۱۳ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اور حضرت اسحاق ابھی پیدا نہ ہوئے تھے، کیونکہ اسی سورۂ صافات میں اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

---

[۵] منیٰ لے جانا اس لیے ضروری تھا کہ مکہ میں اُس وقت آبادی ہو چکی تھی اور حضرت اسماعیل کی والدہ ماجدہ بھی وہاں موجود تھیں، اسی وجہ سے آپ مکہ کے باہر منیٰ کی سنسان پہاڑیوں میں بیٹے کو لے گئے۔

وَبَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ؁ "اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ کی بشارت دی، ایک نبی صالحین سے" (آیت ۱۱۲)۔

مذکورہ بالا آیات میں چند امور تشریح طلب ہیں جن کی ہم یہاں وضاحت کرتے ہیں:

(۱) حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں یہ نہیں دیکھا تھا کہ انھوں نے بیٹے کو ذبح کر دیا ہے بلکہ یہ دیکھا تھا کہ وہ اسے ذبح کر رہے ہیں۔ لیکن اُس وقت انھوں نے خواب کا مطلب یہی سمجھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے صدقِ ایمانی کا امتحان لینے کے لیے بیٹے کی قربانی طلب فرما رہا ہے، اس لیے وہ ٹھنڈے دل سے اپنے لختِ جگر کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

(۲) صاحبزادے سے پوچھنے کا مقصد یہ نہ تھا کہ تو راضی ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کروں ورنہ نہ کروں۔ بلکہ حضرت ابراہیمؑ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے جس صالح اولاد کے عطا کرنے کی دعا مانگی تھی، وہ فی الواقع کس قدر صالح ہے؟ اگر وُہ خود بھی اللہ کی خوشنودی پر جان دینے کے لیے تیار ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دُعا مکمل طور پر قبول ہوتی ہے اور بیٹا محض جسمانی حیثیت ہی سے ان کی اولاد نہیں ہے بلکہ اخلاقی و رُوحانی حیثیت سے بھی واقعی ان کا سپوت ہے۔

(۳) حضرت اسماعیلؑ کا یہ کہنا کہ "جس چیز کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالیے" یہ معنی رکھتا ہے کہ وُہ اپنے پیغمبر باپ کے خواب کو اللہ کا حکم اور بمنزلہ وحی سمجھتے تھے۔ اگر ان کا یہ خیال صحیح نہ ہوتا تو حضرت ابراہیمؑ فرماتے کہ یہ محض خواب ہے حکم نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ان آیات میں ان کے اس خیال کی تردید فرما دیتا۔ یہ بات منجملہ ان دلائل کے ہے جن کی بناء پر اسلام میں نبی کے خواب کو یکے از اقسامِ وحی مانا جاتا ہے۔

(۴) حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے چت نہیں لٹایا بلکہ پیشانی کے بل لٹایا، تاکہ بچے کا منہ دیکھ کر پدرانہ شفقت ہاتھ میں لرزش نہ پیدا کر دے۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ نیچے سے ہاتھ ڈال کر گلے پر چھری چلائیں۔

(۵) قبل اس کے کہ حضرت ابراہیمؑ بیٹے کو ذبح کرتے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "اے ابراہیمؑ تو نے خواب سچ کر دکھایا" اس بنا پر بالکل بجا اور درست تھا کہ خواب میں یہ نہیں دکھایا گیا تھا کہ آپ نے بیٹے کو ذبح کر دیا ہے، بلکہ یہ دکھایا گیا تھا کہ آپ ایسا کر رہے ہیں۔ اس لیے جب آپ نے وہ بات پوری کر دی جو خواب میں

دفعہ ۴ ۔ مکرر جرم کرنے والے مجرم کی توبہ سے متعلق تحقیقی کارروائیاں[ف]

(۱) دوبارہ جرم کرنے والے مجرم کو سابقہ دفعہ کے بند نمبر ۱ کی روشنی میں تین سال جیل میں رہنے سے قبل رہا نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) مجرم کو اس بات کا حق ہے کہ یہ مدت (تین سال) گزر جانے کے بعد نیابت عامہ (پبلک پراسیکیوٹر) کے پاس درخواست پیش کرے جس میں سرقہ یا حرابہ سے توبہ کا اعلان ہو، پھر نیابت عامہ اس بات کی تحقیق کرے اور جیل میں اس کے چال چلن کے بارے میں متعلقہ لوگوں سے پوچھ گچھ کرے، اور یہ بھی کہ کیا اس کو رہا کرنے سے اصلاح کی امید ہے یا نہیں؟ (ان تحقیقات و استفسارات کے بعد) پبلک پراسیکیوٹر اپنی تحقیقات کے اوراق اپنی رائے کے ساتھ اس عدالت میں پیش کرے جہاں سے (مجرم کی سزا کا) فیصلہ صادر ہوا تھا۔

(۳) عدالت مجرم کو رہا کرنے کا فیصلہ صادر کرے گی اگر اس کے نزدیک مجرم کی توبہ ثابت ہو گئی۔ عدالت کو اس بات کا حق ہو گا کہ وہ جیل سے رہائی کے بعد کچھ مدت کے لیے اس کی نگرانی کی شرط بھی لگا دے نگرانی کی یہ مدت اس باقی مدت سے زیادہ نہیں ہو سکتی جتنی مدت کے لیے جیل کا فیصلہ عدالت نے مجرم کے حق میں پہلے صادر کیا تھا۔ (عدالت جرم سے باز رکھنے کے لیے) دوسری حفاظتی تدابیر کا حکم بھی دے سکتی ہے، بشرطیکہ وہ حریت (انسانی آزادی) کو مقید نہ کرتی ہوں۔

(۴) اگر عدالت نے (توبہ کی) درخواست نامنظور کر دی تو نامنظوری کی تاریخ سے (پورے) ایک سال تک دوبارہ (مجرم) درخواست پیش نہیں کر سکتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) معافی اور جیل سے رہائی کی شرط ساقط کر دی ہے، تاکہ چور کے لیے دوسری بار چوری کرنے میں عدم قطع کی جو آسانی فراہم کی گئی تھی اس کا وہ ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔ خدا کے دربار میں معافی تو ہر وقت ممکن ہے۔ مقنن نے اس طرح مزید چوری کا دروازہ بالکل بند کر دیا۔

[ف] دراصل توبہ خدا اور بندہ کے درمیان ہوتی ہے اور یہ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس سے گناہ گار کو گناہ سے نفرت ہو جاتی ہے اور وہ گناہ سے باز رہنے کا عہد کرتا ہے۔ لیکن قانونی طور پر اس کی تحقیق اور تیقن ضروری ہے اور شریعت کے اصولوں اور مصلحت کے تقاضوں کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس سے مقصود سوسائٹی اور فرد کی اصلاح ہے۔

قوموں کا عُروج و زوال قرآن کے آئینے میں

(از طبیب شاہین لودھی صاحب)

(۲)

قوم ثمود: قرآن کریم کی تصریحات اور تاریخی شواہد کے مطابق عاد کے بعد ثمود اپنے زمانے کی متمدن قوم گنی جاتی تھی۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا۔ (الاعراف۔۷۴)

(حضرت صالح نے ثمود سے کہا) یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے بعد تمہیں اس کا جانشین بنایا۔ اور تم کو زمین میں منزلت بخشی کہ آج تم اُس کے ہموار میدانوں میں عالی شان محل بناتے ہو اور اُس کے پہاڑوں کو مکانات کی شکل میں تراشتے ہو۔

مولانا سید مودودی مدظلہ العالی لکھتے ہیں "یہ عرب کی قدیم اقوام میں سے دوسری قوم ہے جو عاد کے بعد سب سے زیادہ مشہور و معروف ہے۔ نزولِ قرآن سے پہلے اس کے قصے اہلِ عرب میں زبان زدِ عام تھے۔ زمانہ جاہلیت کے اشعار اور خطبوں میں بکثرت ان کا ذکر ملتا ہے۔ اسیریا کے کتبات اور یونان، اسکندریہ اور روم کے قدیم مؤرخین اور جغرافیہ نویس بھی اس کا ذکر کرتے ہیں۔ مسیح علیہ السلام سے کچھ عرصہ پہلے تک اس قوم کے کچھ بقایا موجود تھے چنانچہ رومی مورخین کا بیان ہے کہ یہ لوگ رومن افواج میں بھرتی ہوئے اور نبطیوں کے خلاف لڑے جن سے اُن کی دشمنی تھی"۔ (تفہیم القرآن جلد ۲ صفحہ ۴۷)۔

اس دنیا کی زندگی کے متعلق اپنی پیش رو قوم کی طرح اُن کے بھی وہی مادی نظریات تھے۔ اُن کی محدود نظر صرف معیار زندگی تک ہی پہنچ سکتی تھی۔ پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بنانا، ہموار اور شاداب زمینوں میں کھیتی اگانا، عالی شان قصر تعمیر کرنا اور دنیا کی آسائشوں سے بھرپور فائدہ اٹھانا اُن کا مطمح نظر تھا۔ دوسری طرف ان کا معاشرہ کفر و شرک پر مبنی نظریات کی وجہ سے ظلم و تعدی اور جبر و تشدد سے بھرپور تھا۔ انہوں نے

کمزوروں پر ظلم کی انتہا کر دی تھی۔ پست طبقات اُن کے ظلم و استحصال کے ناقابل برداشت بوجھ تلے کراہ رہے تھے۔ غریب اور نادار لوگوں کو سر چھپانے کے لیے کوئی اوٹ تک میسر نہ تھی مگر یہ لوگ محض اظہار فخر و مباہات کے لیے اور معیار زندگی کی بلندی کی خاطر پہاڑ تراشتے چلے جا رہے تھے اور عالیشان عمارتوں کی تعمیر کرتے جا رہے تھے،

وَتَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا فٰرِهِيۡنَ ۔ (الشعراء ۔ ۱۴۹)

تم پہاڑ کھود کھود کر فخریہ ان میں عمارتیں بناتے ہو۔

ایسے حالات میں حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ و السلام اس ظالم قوم کی اصلاح کے لیے مبعوث کیے گئے انہوں نے اعلان کیا، کہ

اِنِّىۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ۔ (الشعراء ۔ ۱۴۳۔۱۴۴)

میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

اُن کے معاشرے پر بدکردار لوگ چھائے ہوئے تھے۔ سیاست اور اقتدار کی باگ ڈور خدا کے باغی لوگوں کے ہاتھوں میں تھی جن کا کام مختلف بہانوں سے زمین میں فساد برپا کرنا اور اللہ کی مخلوق پر ہر قسم کے ظلم و ستم ڈھانا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام جہاں اُن کے اعتقادات کی اصلاح کی جدوجہد کرتے رہے وہاں اُن کے معاشرتی اور سیاسی بگاڑ کے سدھارنے کی طرف بھی توجہ دی کہ درحقیقت قوموں میں سیاسی بگاڑ کے بعد ہی دوسری قسم کے بگاڑ ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں دعوتِ حق پیش کرتے ہوئے فرمایا

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ وَلَا تُطِيۡعُوۡۤا اَمۡرَ الۡمُسۡرِفِيۡنَ الَّذِيۡنَ يُفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا يُصۡلِحُوۡنَ ۔ (الشعراء ۔ ۱۵۰۔۱۵۲)

اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اُن بے لگام لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے۔

لیکن قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور اُن کی تمام اصلاحی کوششوں کو ناکام کرنے کی کوشش کی۔ آخر اللہ تعالیٰ کے عذاب نے انہیں آ دبوچا۔ وادیٔ حجر کے تین سو میل لمبے اور تقریباً سو میل چوڑے علاقے کو ایک ہولناک زلزلے نے ہلاک کے رکھ دیا۔ ظالم اور سرکش لوگ جو چند لمحے قبل زمین پر اکڑتے پھر رہے تھے اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ـ (الاعراف ـ ۷۸)

آخر کار ایک دہلا دینے والی آفت نے انہیں آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے کے پڑے رہ گئے ـ

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ـ (الحجر ـ ۸۳ ـ ۸۴)

آخر کار ایک زبردست دھماکے نے اُن کو صبح ہوتے ہی آلیا اور اُن کی کمائی اُن کے کسی کام نہ آئی ـ

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ـ (القمر ـ ۳۱)

ہم نے اُن پر ایک تند آواز کو مسلط کر دیا تو وہ ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں والی باڑھ کا چورا ہو ـ

اس قوم پر ایسی تباہی نازل ہوئی کہ آج تک حجر کا علاقہ غیر آباد اور ویران پڑا ہوا ہے ـ وادئ حجر دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اب بھی اس علاقے میں نحوست ٹپکتی ہے ـ

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ـ (ہود ـ ۶۸)

گویا وہ وہاں کبھی بسے ہی نہ تھے ـ سنو! ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا ـ سنو! دور پھینک دیے گئے ثمود ـ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کی طرف جاتے ہوئے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجر کے علاقے میں سے گزرنے لگے تو صحابہ کرام سے فرمایا:

لَا يَدْخُلَنَّ اَحَدٌ مِّنْكُمُ الْقَرْيَةَ وَلَا تَشْرَبُوْا مِنْ مَّآئِهَا ـ وَلَا تَدْخُلُوْا عَلٰى هٰؤُلَآءِ الْمُعَذَّبِيْنَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِثْلُ الَّذِیْ اَصَابَهُمْ ـ (روح المعانی جزء ۸ صفحہ ۱۶۸)

تم میں سے کوئی شخص اس علاقے میں داخل نہ ہو ـ نہ تم لوگ ان کے کنوؤں سے پانی پیئو ـ ان عذاب کیے گئے لوگوں کی وادی میں اس طرح داخل ہو کہ گریہ اور استغفار تمہاری زبان پر ہو تاکہ وہ عذاب جو ان پر نازل ہو چکا ہے کہیں تم پر بھی نازل نہ ہو جائے

قوم لوط حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے وہ آج کل کے اُردنی علاقے میں

بستی تھی۔ قرآن کریم نے اس قوم کی بستیوں کو مُوتفِکات بھی کہا ہے، یعنی اُلٹ دی جانے والی بستیاں۔ یہ چار بڑی بڑی بستیاں تھیں جن کا نام ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے سُدُوم، آمورا، عامورا اور صبویہ نقل کیا ہے۔ تلمود میں آتا ہے کہ سُدوم سمیت پانچ بستیاں تھیں۔ ان بستیوں کے لوگ خوشحال تھے اور اس خوشحالی کی وجہ سے وہ لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ سے بغاوت اور سرکشی میں مبتلا ہو گئے۔ اباحیت پسندی میں یہاں تک ڈوب گئے کہ ہم جنسیت (HOMO SEXUALITY) جیسا غیر فطری اور انتہائی قبیح فعل اُن کی پوری سوسائٹی میں رواج پا گیا۔ قوم لوط کا تذکرہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِيْنَ۔ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ۔ (الاعراف ۔ ۸۰ ۔ ۸۱)

تم ایسے بے حیا ہو گئے ہو کہ وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِيْنَ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ۔ (الشعراء ۔ ۱۶۵ ۔ ۱۶۶)

کیا تم دنیا کی مخلوق میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو اور تمہاری بیویوں میں تمہارے رب نے تمہارے لیے جو کچھ پیدا کیا ہے اس کو چھوڑ دیتے ہو؟

اس بگاڑ کی کیفیت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ایک دوسرے کے سامنے اور بھری مجلسوں میں یہ لوگ غیر فطری طریقہ پر شہوت رانی کرتے تھے۔ اس کام کے لیے انہوں نے اس وادی میں ایک بہت بڑا باغ لگایا ہوا تھا جو میلوں تک پھیلا ہوا تھا، جس میں ہر قسم کے پھل پھول اور نشہ وغیرہ کے سامان مہیا تھے۔ اور یہاں یہ لوگ سال میں چار مرتبہ کھلے بندوں اس غیر فطری فعل کا ارتکاب کرتے تھے اور اپنی مشرکانہ رسوم ادا کرتے تھے (اقتباسات تلمود ص ۴۶ تا ۵۱) طبع لندن ۱۸۶۵ء۔

قرآن کریم نے اُن کی اس کھلے بندوں بدکاری کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ۔ (النمل ۔ ۵۴)

کیا تم آنکھوں دیکھتے بدکاری کرتے ہو؟

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ ۔ (العنکبوت - ۲۹)

کیا تمہارا یہ حال ہے کہ مردوں کے پاس جاتے ہو اور رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں بُرے کام کرتے ہو۔

اس کے علاوہ قرآن کریم بائیبل اور تلمود کے ذریعے اس قوم کے حالات جو ہم تک پہنچے ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ اخلاقی لحاظ سے یہ قوم گل سڑ چکی تھی، زیر دستوں پر ظلم کی انتہا ہو گئی تھی، کوئی مسافر اگر ان کی بستی میں آنکلتا تو اسے اس کے سارے سامان سے محروم کر کے اُسے مار مار کر بستی سے نکال دیتے۔ مسافر اُن کی بستیوں سے کھانا نہ خرید سکتا تھا۔ آخر کار جب وہ بھوک سے نڈھال ہو کر گر پڑتا تو یہ لوگ میزبانی کا حق یوں ادا کرتے کہ اُس کے ساز و سامان پر ٹوٹ پڑتے اور اس کے جسم سے چیتھڑے تک نوچ لیتے اور اگر وہ بھوک سے مرجاتا تو اسے برہنہ جنگل میں دفن کر دیتے۔ کوئی نوجوان لڑکا اُن کی آبادیوں میں آنکلتا تو شہوت میں یہ اندھے لوگ اُس پر چیل کوؤں کی طرح ٹوٹ پڑتے، کہیں بھی فریاد رسی کی جگہ نہ تھی۔ اُن کی عدالتیں اگر تھیں تو اُن کی بدکرداریوں کے تحفظ کے لیے۔ انصاف ان کے قریب بھی نہ پھٹکا تھا۔

اُن کی پوری سوسائٹی میں حضرت لوط علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی نہ تھا جو اُن کی بدکرداریوں پر ٹوکتا۔ حضرت لوطؑ اپنا فرض ادا کرتے رہے اور اس بدبخت قوم کو اُن کی بداعمالیوں کے انجام سے ڈراتے رہے۔ اس نصیحت اور خیر خواہی کا جواب وہ لوگ اس طرح دیتے۔

أَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ (الاعراف - ۸۲)

نکالو ان لوگوں کو اپنی بستی سے، بڑے پاکباز بنتے ہیں یہ۔

اُن کی جرأت اور بدکرداری اس انتہا تک پہنچ گئی کہ ایک دن یہ لوگ سیدنا لوط علیہ السلام کی غایت درجہ عاجزانہ اپیلوں کے باوجود اُن کے پاس نوعمر مہمانوں کی صورت میں آنے والے فرشتوں پر ٹوٹ پڑے۔ تب اللہ نے اُن کو دی ہوئی مہلت ختم کر دی اور ایک کڑاکے دار آتش فشانی انفجار اور ایک شدید زلزلے نے اُن کی بستیوں کو تلپٹ کر کے رکھ دیا۔ اُن کی بستیاں زمین میں دھنس گئیں اور سمندر کا پانی اُن میں بھر گیا۔ اور یوں یہ قوم آئندہ آنے والوں کے لیے نشانِ عبرت بن گئی۔

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ

پھر جب ہمارے فیصلے کا وقت آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کو تلپٹ کر دیا اور اس پر پکی ہوئی

مَّنضُودٍ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ۔
(ہود-۸۲-۸۳)

مٹی کے پتھر تابڑ توڑ برسائے جن میں سے ہر پتھر تیرے رب کے ہاں نشان زدہ تھا۔

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ ۔
(الحجر ۷۳، ۷۴)

آخر کار پو پھٹتے ہی اُن کو ایک زبردست دھماکے نے آلیا اور ہم نے اس بستی کو تلپٹ کرکے رکھ دیا اور اُن پر پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی بارش برسائی۔

إِنَّا مُنزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۔
(العنکبوت-۳۴)

(فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا) ہم اس بستی پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں اُس فسق کی بدولت جو یہ کرتے رہے ہیں۔

اصحاب مدین و اصحاب ایکہ

اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قوم کے دو قبیلے تھے۔ یہ دونوں قبیلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اصحاب مدین کی آبادیاں بحیرۂ قلزم کے ساتھ حجاز کے شمالی علاقے، جنوبی فلسطین اور جزیرہ نمائے سینا میں خلیج عقبہ کے ساتھ ساتھ پھیلی ہوئی تھیں۔ موجودہ تبوک اور اس کے گردونواح میں ایکہ کی بستی تھی۔ تجارتی شاہراہوں پر آباد ہونے کی وجہ سے اصحاب مدین کو بہت سے فوائد حاصل تھے۔ یہ لوگ تجارتی قافلوں سے زبردستی خراج وصول کیا کرتے تھے۔ راہزنی کرتے تھے۔ راستے ان لوگوں کی دست درازیوں کی وجہ سے محفوظ نہ تھے۔ حضرت شعیب نے ان سے کہا:

وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ (الاعراف-۸۶) ہر راستے پر لوگوں کو ڈرانے نہ بیٹھو۔

ان کے علاقے سے صرف وہی تجارتی قافلے گزر سکتے تھے جو ان کو خراج ادا کرتے تھے۔ خود بھی یہ قوم تجارت پیشہ تھی۔ خوشحالی نے اُن میں غرور و تکبر پیدا کر دیا تھا۔ شرک اور اس کے علاوہ بہت سی اخلاقی اور معاشرتی برائیوں میں ملوث ہوگئے تھے۔ ناپ تول میں کمی ان کا روزمرہ کا دھندا تھا۔ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام اس قوم کی دونوں شاخوں کی طرف مبعوث کیے گئے۔ آپ نے اُن لوگوں کو شرک جیسی عظیم گمراہی پر ٹوکا۔

قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۔
(ہود-۸۴)

اُس نے کہا اے میری قوم کے لوگو اللہ کی بندگی اختیار کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

اور اُن کی معاشرتی برائیوں کی اصلاح کرنے کی کوشش کی۔

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُحِيطٍ۔ (ھود۔ ۸۴)

اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ آج میں تم کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں مگر مجھے ڈر ہے کہ کل تم پر ایسا دن آئے گا جس کا عذاب سب کو گھیرے گا۔

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (الشعراء۔ ۱۸۱-۱۸۳)

پیمانے ٹھیک بھرو اور کسی کو گھاٹا نہ دو۔ صحیح ترازو سے تولو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔

آپ نے ہر طریقہ سے اپنی قوم کی اصلاح کرنے کی کوشش کی مگر ان لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک بات بھی مان کر نہ دی۔ بلکہ قوم کے سرمایہ دار لوگ جو قوم پر سیاسی تفوّق رکھتے تھے اُنہوں نے نہ صرف حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا بلکہ اُن کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کا رویہ قائم رکھا کیونکہ ان لوگوں کو حضرت شعیبؑ کی دعوت سے اپنی سرداریاں چھن جانے کا خدشہ تھا۔

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ۔ (الاعراف۔ ۹۰)

اُس کی قوم کے سرداروں نے جو اس کی بات ماننے سے انکار کر چکے تھے آپس میں کہا کہ اگر تم نے شعیب کی پیروی قبول کی تو تم برباد ہو جاؤ گے۔

آخرکار جب ان کی ہٹ دھرمی انتہا کو پہنچ گئی اور اصلاح کی کوئی امید باقی نہ رہی تو اللہ کے عذاب نے اُن کو آلیا۔ اصحاب ایکہ تو چھتری کی طرح چھا جانے والے عذاب سے تباہ کر دیے گئے۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ۔ (الشعراء۔ ۱۸۹)

انہوں نے اسے جھٹلایا آخرکار چھتری کے دن کا عذاب اُن پر آ گیا وہ بڑے ہی خوفناک دن کا عذاب تھا۔

اور مدین والوں کو دل دہلا دینے والی آواز کے ساتھ زلزلے نے پیوند زمین کر دیا۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۙ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۔

(ہود۔۹۴-۹۵)

آخر کار جب ہمارے فیصلے کا دن آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیب اور اس کے ساتھی مومنوں کو بچا لیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا اُن کو ایک سخت دھماکے نے ایسا پکڑا کہ وہ اپنی بستیوں میں بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے گویا وہ کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے سنو مدین والے بھی دور پھینک دیے گئے جیسے ثمود پھینکے گئے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۚ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ۔

(الاعراف۔۹۱-۹۲)

مگر ہوا یہ کہ ایک دہلا دینے والی آفت نے اُن کو آ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے کے پڑے رہ گئے، جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا وہ ایسے مٹے کہ گویا کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے شعیبؑ کے جھٹلانے والے آخر کار برباد ہو کر رہے۔

(باقی)

تحریکِ اسلامی کی کامیابیاں

(سید اسعد گیلانی صاحب)

(۲)

سرکاری اسلام غیر معتبر تشکیلِ پاکستان کے فوراً بعد سے سرکاری سطح پر مسلسل کوشش کی جاتی رہی ہے کہ اسلام کا ایک ایسا جدید اور قابلِ قبول ایڈیشن تیار کیا جائے جو حکمران گروہ کی یورپ زدگی کا محافظ بن سکے اور ان کے بگاڑ کو اسلامی تحفظ فراہم کر دے۔ جس میں سود کو نفع کے نام سے، شراب کو طبی ضرورت کے طور پر، اور آمریت کو "مرکزِ ملت" کے حوالے سے قبول کیا جا سکے۔ حج اور قربانی کو قومی مفاد کے نام پر اور روزے نماز کو قومی ترقی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھایا جا سکے۔ اس کے لیے سرکاری سطح پر بڑے بڑے ادارے قائم کیے گئے۔ تنخواہ دار علمائے سُوء کی ٹیمیں بھرتی کی گئیں۔ کرائے کے اخبار نویسوں سے مدد لی گئی۔ بڑی بڑی دور کی کوڑیاں لائی گئیں۔ لیکن تحریکِ اسلامی کی زبردست کاوش اور جدوجہد نے ایسے سرکاری اسلام کا تار و پود پوری طرح بکھیر دیا اور بالآخر یہ بات ایک مسلّمہ حقیقت بن کر رہی کہ اسلام وہی معتبر ہے جو کتاب و سنت کے واضح احکام پر مشتمل موجود ہے اور سرکاری اسلام کے نام سے مغربی تہذیب کے لیے مسلمانوں کے اندر کوئی پذیرائی موجود نہیں ہے۔ آج اس قسم کی ساری سرکاری کوششیں خائب و خاسر اور ناکام ہو کر رہ گئی ہیں۔

نئی نسل کی صالح اسلامی تربیت فرنگی غلامی کے طویل دور میں اخلاقی انحطاط مسلمانوں کی ہر نئی نسل میں بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ لارڈ میکالے کا نظامِ تعلیم بے مقصد حیوانی زندگی کا تصور آنے والی ہر نئی نسل میں پہلے سے زیادہ گہرا جاگزین کرنے کا عمل شروع کر چکا تھا۔ جدید تعلیم گاہوں اور کالجوں کی فضا اسلامی طرزِ عمل کے لیے بالکل سازگار نہ رہ گئی تھی۔ ایسے ماحول میں خدا کا نام لینا رجعت پسندی، دین پر عمل پیرا ہونا ملائیت، اور اخلاقی اقدار کا پاس و لحاظ کرنا، قدامت پسندی اور رجعت پسندی کا طعنہ بن گیا تھا۔ اس قسم کے ماحول میں ڈاڑھی رکھ لینا تو گویا اپنے آپ کو کانٹوں کے بستر پر ڈال دینے اور بھِڑوں کے چھتے کو چھیڑ دینے کے مترادف بن گیا تھا۔ تحریکِ اسلامی جدید ذہن کو متاثر کرنے والے استدلال کے ساتھ میدان میں آئی اور اس نے نئی نسل کو ملحدانہ نظامِ تعلیم اور مغرب پرست لیڈروں

کی گمراہی سے بچانے کے لیے کام شروع کیا۔ صرف بیس پچیس سال کے عرصے میں ہی آج جدید تعلیم یافتہ نئی نسل کی بہت بڑی کھیپ جاندار، دیندار اور دیانتدار مجاہد نوجوانوں کی چہل پہل سے پر رونق اور پُر بہار بن گئی ہے۔ کوئی تعلیم گاہ ایسی نہیں رہی جس میں اس کی دلبرانہ شرافت کا سکّہ رواں نہ ہو گیا ہو۔ کوئی کالج ایسا نہیں جہاں نیک نہاد اور خدا پرست نوجوانوں کی ٹولیاں اسلام اور اخلاقی اقدار کے لیے جدوجہد کرتی نظر نہ آتی ہوں اور زندگی کے میدانِ کارزار میں اسلامی نظامِ حیات کے فروغ و قیام کے لیے برسرِ جہاد نہ ہوں۔ ان کی نمازیں، ان کا اخلاق، ان کی شرافت اور ان کی مجاہدانہ تگ و دو ایک بھرپور سرسبز کھیتی کی طرح ہر سمت لہلہا رہی ہے اور اسلامی نظامِ حیات چاہنے والوں کے دل کو لبھاتی ہے۔ یہ کارنامہ بھی تحریک اسلامی کا ہی ہے کہ اس نے اپنی طویل جدوجہد کے ذریعے ایک پوری نئی تعلیم یافتہ نسل کو اسلام کی صراطِ مستقیم پر لاکر ڈال دیا ہے اور اقامت دین کا جہاد لڑنے اور اسے مسلسل جاری رکھنے کے لیے مجاہدین کی ایک تازہ دم صف لاکر میدان میں کھڑی کر دی ہے۔

اصلاحِ اخلاق کی ہمہ پہلو تربیت گاہ

غلامی میں قوموں کا ضمیر بدل جاتا ہے اور شیر بھی بکری کی طرح ممیانے لگتے ہیں۔ افراد کے ملّی اخلاق کا معیار گر جاتا اور قومی کردار مفقود ہو جاتا ہے۔ جو گروہ دین کی سربلندی کے لیے برپا کیا گیا ہو وہ غلامی کے شکنجے میں پھنس کر طاغوتِ وقت کا چاکر بن جاتا ہے۔ جو لوگ اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے اٹھے ہوں غلامی میں ان کے اپنے اخلاق پستی کی انتہا کو چھونے لگتے ہیں۔ جن کا کام ظالموں کا ہاتھ پکڑنا اور مظلوموں کا ہاتھ تھامنا ہو وہ خود ظلم کے آلۂ کار بن جاتے ہیں۔ مسلمان قوم ایک طویل عرصے سے اسی حادثے سے دوچار چلی آتی ہے۔ وہ اپنا ملّی فریضہ ادا کرنے سے قاصر ہو گئی ہے۔ وہ نیکی کا حکم دینے بدی کا نام و نشان مٹانے اور بھلائیوں کو فروغ دینے کے کام سے دست کش ہو کر خود زوالِ کردار میں مبتلا ہو گئی ہے۔ دوسری قوموں کے مقابل اس میں انفرادی سطح پر نیکی کرنے والوں کی اب بھی کمی نہیں ہے۔ لیکن اس کے اجتماعی وجود میں نیکی منتشر اور بدی منظم ہو کر مسلط ہو گئی ہے۔ نیکی کا مقام کونے کھدرے میں پناہ گزینی اور بدی کا مقام برسرِعام تخت نشینی بن گیا ہے۔ پورا ماحول بگاڑ کو پرورش کرنے اور اصلاح کی مزاحمت کرنے کا بن گیا ہے۔ پوری دنیا مسلمان قوم کی اخلاقی برکات سے محروم اور اس کے پاس محفوظ رکھی ہوئی الٰہی تعلیمات سے یکسر بے خبر فساد و تباہی سے دوچار ہے۔ ایسے حالات میں تحریک اسلامی نے اجتماعی نیکی کو برپا کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس کا لٹریچر، اس کا اجتماعی ماحول، اور اس کی اصلاحی فضا ملت کے اندر ایک

ہمہ پہلو تربیت گاہ کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ اس نے بگاڑ کے زبردست سیلاب میں بہنے والوں میں سے بیشمار افراد کی دست گیری کی اور انہیں اصلاحِ عمل و کردار کی تربیت گاہ میں سے گزارا ہے۔ تحریک اسلامی نے اپنے اجتماعی نظام کا سانچہ ایسا بنایا ہے کہ اس میں جو خام مال ڈالا جاتا ہے اگر اُس میں جوہرِ انسانیت باقی ہو تو بالآخر وہ اخلاقی تربیت کی اس بھٹی میں سے گزر کر کھرا سکہ بن کر نکلتا ہے۔ جو لوگ بھی اس کے نظام تربیت سے وابستہ ہوتے ہیں ان میں صالحیتِ اخلاق اور دینداری کا ایک خاص معیار ابھر آتا ہے۔ بات چیت میں وہ شائستہ اور مہذب ہو جاتے ہیں۔ لین دین میں وہ کھرے اور دیانتدار ثابت ہوتے ہیں۔ حقوق کی ادائیگی اور فرائض کی پابندی میں وہ مستعد ہو جاتے ہیں۔ منکرات اور معاشرے کی دیگر برائیوں سے بچنے میں وہ محتاط ہو جاتے ہیں۔ ان کے کردار میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔ عمومی طرز عمل میں وہ مخلص و بے لوث ثابت ہوتے ہیں اور مجموعی طور پر اُن کے اندر اسلام کے مطلوبہ اور دین کے معیاری مسلمان کی صفات اجاگر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ تحریک اسلامی نے اپنے ساتھ شامل ہونے والے ہر ساتھی کے لیے ایک طرف مثبت طور پر ایک صاف ستھرا، پاکیزہ، خدا ترس اور بے لوث محبت و رفاقت کا داخلی ماحول تیار کیا ہے جو انسان کو حکمت و تدریج سے اپنے سانچے میں ڈھالتا چلا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف کمزوریوں اور لغزشوں کی نشان دہی اور ان سے بچنے کے لیے حساس و محتاط ساتھیوں کی نگرانی مہیا کی ہے جس کے اندر آدمی اپنی کمزوریوں کو دوسروں کی خوبیوں کے طفیل ترک کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ کام مسلمانوں کی عام مروجہ جماعتوں میں مدت دراز سے مفقود چلا آتا تھا اور اسلامی تعلیم کے ساتھ اسلامی کردار، اور اسلامی نعروں اور دعووں کے ساتھ ایک صابرانہ اسلامی طرزِ عمل بھی نایاب و ناپید ہو چکا تھا جسے تحریک اسلامی نے اپنی مسلسل محنت و مشقت، صبر آزما سعی و جہد اور ہمہ پہلو تربیتی ماحول کی فراہمی سے از سر نو پیدا کیا ہے۔ تحریک نے اسلامی نظامِ حیات برپا کرنے کے لیے ہمیشہ کمیت کی بجائے کیفیت کو، تعداد کی بجائے صلاحیت کو، نعروں کی بجائے مضبوطی ثابت قدمی، استقامت اور عملی جدوجہد کو، اور انانیت کی بجائے کردار کو مدنظر رکھا ہے اور پرجوش تقریروں کی بجائے بردباری، تحمل، افہام و تفہیم، مستقل مزاجی، اور نتائج کی پرواہ کیے بغیر مسلسل صابرانہ جدوجہد کو اپنا شعار بنایا ہے۔ اس سے تھڑدلے لوگ اس کی طرف نہیں آ سکتے اور اگر جوش کی حالت میں آ بھی جائیں تو ہوش آنے کے بعد یا سدھر جاتے ہیں اور یا جلد پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ اس ٹھنڈی جدوجہد نے اسے بے کار اور بے قوت بوجھل آما سے بچایا ہے اور ایسے عناصر سے محفوظ رکھا ہے جو صبر آزما اجتماعی جدوجہد کو اپنی بے صبری اور تھڑدلی سے برباد اور بدانجام کر دیا کرتے ہیں۔ ایک مضبوط تناور درخت کی کونپل

کی طرح یہ تحریک بڑھتی چلی گئی ہے اور اپنی فطری رفتار سے طوفانی حوادث میں سے گزرتی ہوئی اپنی تکمیل کی طرف اس کی پیش قدمی مسلسل جاری ہے۔ چونکہ طویل اخلاقی انحطاط اور غلامی نے قوم کے مجموعی افرادی سرمایہ میں ملاوٹ اور کھوٹ کی مقدار بہت زیادہ بڑھادی ہے اس لیے جاندار عناصر کی چھانٹی اور تنظیم کا کام بظاہر سست نظر آتا ہے۔ لیکن کھوٹ سے بچتے ہوئے اگر تربیتی سانچے میں ڈھلنے والے سکے مسلسل بن رہے ہوں اور ان میں اضافے کا عمل بھی جاری ہو تو ایک روز اسلامی انقلاب لانے والا ضروری سرمایہ جمع ہو جاتا ہے اور اپنے مطلوبہ نتائج دنیا کے سامنے لاکر رکھ دیتا ہے۔ دنیا کو موجودہ مسلمان نامی کسی گروہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو کروڑوں کی تعداد میں دنیا کے سینے پر بوجھ بن کر بکھرا ہوا پڑا ہے اور زمانے کی تند ہوائیں اسے یہاں سے وہاں اڑائے لیے پھرتی ہیں۔ آج دنیا کو اس حقیقی مسلمان کی ضرورت ہے جو عرب کی اوّلین اسلامی تحریک نے تیار کیا تھا اور جس کی آمد پر ساری دنیا نے اس کی پذیرائی اور خوش آمدید کے لیے اپنے دروازے اس کے سامنے کھول دیے تھے۔ تحریک اسلامی ایسے ہی مسلمان تیار کرنے کے لیے ایک اجتماعی ماحول کی تیاری میں مصروف ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ وہ اس نئی تدریجی عمل میں کامیابی کے ساتھ پیش قدمی کر رہی ہے۔

بااصول منظم اپوزیشن پاکستان بننے کے بعد تحریک اسلامی نے عملی سیاست میں حصہ لینے کا آغاز کیا۔ ۱۹۴۸ء کے اوائل میں نظام اسلامی کا مطالبہ لے کر جماعت اسلامی اس مملکت کی پہلی اپوزیشن جماعت کی حیثیت سے سامنے آئی۔ اسی نظریاتی اپوزیشن کا رول وہ ابتک اور آج بھی ادا کر رہی ہے۔ چونکہ یہ ایک بااصول اپوزیشن پارٹی ہے اور اپنے سامنے اسلامی نظریہ کی بنیاد پر نظام مملکت میں تبدیلی کا نصب العین رکھتی ہے اس لیے اس نے ملک میں پہلی بار ایک منظم اور بااصول نظریاتی اور جمہوری اپوزیشن کی بنیاد رکھی۔ اس کے سامنے اقتدار کی کرسیوں پر قبضہ کرنا یا چند ہاتھوں کو بدل دینے کا پروگرام کبھی نہیں رہا، اس لیے اس نے ملکی سیاست کے معروف اور مروج طریقوں سے ہٹ کر رائے عامہ کو ہموار کرنے، عوام کی اخلاقی اصلاح کرنے، اور جمہوری اور آئینی طریقوں سے اصلاح افراد کے ذریعے قیادت کو بدلنے کا طریق کار اختیار کیا ہے۔ وہ حکومت کی نہیں باطل نظام کی اپوزیشن پارٹی ہے۔ اس لیے جماعت اسلامی میں محلاتی سازشوں، جوڑ توڑ، ضمیر فروشی، اصولوں پر مصالحت اور مفاد پرستی کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس ساری مدت میں اس کے راستے میں بڑی سے بڑی مشکلات کے پہاڑ کھڑے کیے گئے۔ اپوزیشن کے روایتی احترام کو بالائے طاق رکھ کر اس پر ظلم و ستم اور جبر و تشدد کے حربے بھی استعمال کیے گئے۔ اسے بار بار خلاف قانون قرار دیا گیا۔ اس کے کارکنوں کو سیاسی اور معاشی زندگی میں ظلم اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ لیکن اس نے ان سب حربوں کا ہمیشہ

صبر و تحمل اور بردباری سے جواب دیا۔ اس نے سیاست میں شرافت کی طرح ڈالی۔ گالیوں اور الزامات کی بوچھاڑ میں اس نے شائستگی، رواداری اور احترامِ انسانیت کی بنیاد رکھی۔ تشدد کے مقابلے میں صبر، گالی کے مقابلے میں دعا، الزامات کے مقابلے میں شریفانہ طرزِ عمل اور بدترین اشتعال انگیز حربوں کے مقابلے میں صبر و حکمت کا رویہ اختیار کیا۔ اس نے ایک پابندِ اصول پابندِ آئین و قانون اور پابندِ تہذیب و شرافت گروہ کی حیثیت سے ہمیشہ اپنا کام جاری رکھا ہے۔ اول روز سے اس کا مقصدِ وجود وہی ہے جو خود پاکستان کے وجود کا مقصد ہے یعنی ملّت اسلام کی بنیاد پر وحدت پاکستان کی علمبرداری اور پاکستان میں اسلامی نظام حیات کا نفاذ۔ درحقیقت طرزِ عمل طریق کار اور نصب العین کے اعتبار سے جماعت اسلامی ہی پاکستان کی واحد اپوزیشن پارٹی ہے جو افراد کو نہیں بلکہ ملک کے نظام کو بدلنا چاہتی ہے۔ وزارتوں پر قبضہ کرنا کبھی اس کے پروگرام میں شامل نہیں رہا۔ سودے بازیاں ہمیشہ اس کے معیار اور ذوق سے فروتر رہیں۔ ملک کے نیم جمہوری آمرانہ سیاسی ماحول میں خالص جمہوری اور آئینی طریق کار کا اہتمام ہمیشہ اس کا طرۂ امتیاز رہا۔ اس نے پاکستان میں عوامی جمہوریت کی بنیاد رکھی۔ اس نے عوام کو قائل کر کے فہم و فراست کی روشنی میں اپنے فیصلے کرنے کی تربیت دینے کا مسلسل اہتمام کیا۔ اس نے ملک و ملت کی اصلاحِ احوال کو ہی ہمیشہ اپنا مطمحِ نظر بنائے رکھا۔ سیاسی مدوجزر میں صرف اسی کے تربیت یافتہ کارکن حالات کے نشیب و فراز میں پورے صبر و استقامت اور جرأت کے ساتھ اپنے راستے پر گامزن رہے۔ اس طرح جماعت اسلامی نے اپنی مسلسل جدوجہد سے ملک میں ایک منظم با اصول اور بے لچک نظریاتی اپوزیشن کی بنیاد رکھی۔ مفادات کی تقسیم اور سودے بازیوں کے ماحول میں یہ ایک سخت مشکل کام تھا۔ لیکن یہ مشکل کام اس نے بڑے صبر و تحمل اور بردباری سے سرانجام دے کر دکھایا جس کے نتیجے میں مخالف سیکولر قوتوں کے زور کے باوجود اس نے پاکستان کا نصب العین (اسلامی نظریات کا نفاذ) عوام کی نظروں سے کبھی اوجھل نہ ہونے دیا۔ بڑے بڑے سیاسی طوفان آئے۔ اقتدار کی مسندیں الٹ پلٹ گئیں۔ گمنام لوگ سازشوں کے عقبی راستوں سے بار بار برسرِ اقتدار آتے رہے۔ لیکن جماعت اسلامی نے کوئی عقبی راستہ اختیار کرنا کبھی پسند نہ کیا تاکہ ملک کی سیاست جمہوریت پر قائم رہے اور عوام کی اسلامی اور سیاسی تربیت کا اہتمام جمہوری اور تبلیغی راستے سے کیا جا سکے۔ یہ صبر آزما کام اس نے سخت ترین مشکلات میں سے گزرتے ہوئے سرانجام دیا اور آج ایک غیر جانبدار سیاسی مبصر آسانی سے جائزہ لے سکتا ہے کہ غیر جمہوری فضا میں جمہوریت کی جوت جگائے رکھنا اور ملک و ملت کی تعمیر کی خاطر مفادات کی بہتی گنگا میں دامن خشک رکھنا کتنا مشکل کام تھا جسے جماعت اسلامی نے ان طویل سالوں میں سرانجام دیا ہے۔ دراصل یہ ایک تاریخی دشوار گزار

خار دار راستہ تھا جسے جماعت اسلامی نے اسلام اور جمہوریت کی خاطر اپنی پلکوں سے صاف کیا ہے۔ چنانچہ الحاد اور آمریت کے علمبرداروں کو بھی آج پاکستان میں اسلام اور جمہوریت کا نام لیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ یہ تحریک اسلامی کی کامیابیوں میں سے ایک قابل ذکر کامیابی ہے۔

معاشرے کی آئینی مزاج سازی

یہ بھی تحریک اسلامی کی ایک عظیم کامیابی ہے کہ اس نے اپنی جدوجہد کے ذریعے مسلمان معاشرے کا مزاج آئین پسند بنانے کی کامیاب جدوجہد کی ہے۔ خود مسلمانوں کی قریبی تاریخ بھی ملوکیت کے جابرانہ حربوں سے بھرپور ہے۔ ہمارے ہاں سلطنتوں کے تختے الٹ دینا ہمہ مقتدر سپہ سالاروں کا عموماً شیوہ رہا ہے۔ ویسے بھی ملوکیت کی تاریخ مسلمانوں کے ہاں بہت طویل و عریض ہے۔ جبر و تشدد سے اقتدار پر قبضہ مسلمانوں کے ہاں انتقالِ اقتدار کا ایک مستقل ذریعہ چلا آرہا ہے۔ ایسے معاشرے کو جمہوری خطوط پر استوار کرنا، اسے جمہوری اور آئینی ذہن دینا اور پُرامن طریقوں سے تبدیلی کے راستے مسلسل ہموار کرنا مدت سے مسلمانوں میں متروک رہا ہے۔ اس لیے قسمت آزما لوگ معاشرے کی اس خود سپردگی اور جبر کے آگے سر تسلیم خم کر دینے کی عادت سے بار بار فائدہ اٹھاتے اور معاشرے کو قومی کردار کے لحاظ سے تباہ و برباد کرتے رہے ہیں۔ جماعت اسلامی نے اپنی جدوجہد کو آئین و قانون کی حدود میں محدود کر کے اگرچہ طویل راستہ اختیار کیا ہے لیکن ایک پائیدار جمہوری نظام برپا کرنے کے لیے اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ جماعت اسلامی کی پُرامن پچیس سالہ سیاسی جدوجہد اس پر گواہ ہے کہ اس نے قوم کو جمہوری تربیت دینے میں اپنا سارا زور صرف کیا ہے اور جلد منزل پر پہنچنے کے لیے جلد بازی کا مختصر راستہ اختیار کرنے کا کبھی خیال نہیں کیا۔ اس کے جلسے خراب کیے گئے لیکن اس نے کبھی کسی کا جلسہ خراب نہیں کیا۔ اس کے خلاف جھوٹ بولے گئے۔ لیکن اس نے کبھی کسی کے خلاف غلط بیانی نہیں کی۔ اس پر تشدد ہوا لیکن اس نے کبھی کسی پر تشدد نہیں کیا۔ اسلام کے خادم ہونے کے جرم میں اسے غیر ملکی ایجنٹ کہا گیا لیکن اس نے غیر ملکی ایجنٹوں کو بھی کبھی ایسا طعنہ دینا گوارا نہیں کیا۔ اسے جبر و تشدد کے ساتھ راستے سے ہٹانے کے ہزار جتن کیے گئے لیکن اس نے کبھی کسی کو ناروا غیر جمہوری طریقے اختیار کر کے راستے سے ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔ آج جماعت اسلامی آئین پسندی، پُرامن جدوجہد اور قانون کے احترام کی علامت بن گئی ہے اور اس نے معاشرے کی جو تربیت کی ہے یہ تربیت اسلامی جمہوریت کے دور میں ایک پائیدار اسلامی جمہوری نظام کی مستحکم بنیاد بن سکتی ہے۔

جماعت اسلامی کی اس جدوجہد نے معاشرے میں خونی انتشار کی انقلاب کا راستہ روک دیا ہے۔ اس جدوجہد

ہیں اگرچہ بہت کچھ ٹھہراؤ اور سست روی کا عمل محسوس ہوتا ہے لیکن پٹری سے اُتری ہوئی گاڑی کو پُرامن اسلامی انقلاب کے راستے پر ڈالنے اور ایک باشعور جمہوری معاشرہ تشکیل دینے کا یہی واحد راستہ ہے جسے جماعت اسلامی نے بہت سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے۔

غیر جذباتی معقول اور پاکیزہ سیاست کا رواج تحریک اسلامی نے سیاست جیسے نعرہ زن گرم اور پرجوش میدان کو بھی غیر جذباتی اور معقولیت کا حامل بنانے کی اپنی حد تک کامیاب کوشش کی ہے۔ جمہوری سیاست میں اخلاقی حدود سے بے نیاز گروہ اپنے مدمقابل سیاسی گروہوں کے بارے میں جو طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں وہ تو آزاد، نیم ترقی یافتہ جمہوری ممالک میں شرمناک حد تک شرافت اور شائستگی سے بعید ہوتا ہے۔ میکیاولی کی پیش کردہ مروجہ سیاست کے لیے مکروفن، عیاری و چالبازی، جھوٹ، الزام تراشی اور افترا پردازی کو نہ صرف جائز بلکہ ناگزیر ضرورت سمجھا جاتا ہے اور اپنے مدِمقابل کو سیاسی میدان میں پچھاڑنے کے لیے الزامات و بہتانات کی بوچھاڑ کرنا عام سیاسی فیشن بن گیا ہے۔ اسی طرح عوام کو بہکانے اور اپنے پیچھے لگانے کے لیے ہر قسم کے سستے نعرے، جھوٹے وعدے اور غیراخلاقی حربے استعمال کیے جاتے ہیں جن کی کثرت سے انتخابی موسم سخت گھناؤنا اور متعفن ہوجاتا ہے۔ بڑے بڑے پشتینی اور جدی شرفا اس حمام میں اترتے ہی شرافت کا جامہ اتار دیتے ہیں اور تہذیب و شائستگی کی ساری حدود پھاند جاتے ہیں۔ انتخابات میں عوام کو بہالے جانے کے لیے دھمکی، دھوکا، دشنام اور دہشت گردی کا طوفان اٹھا دیا جاتا ہے جس سے ایک سادہ لوح انسان ووٹر کی حیثیت سے عہدہ برا نہیں ہوسکتا۔ جس طرح جنگل میں شکار کے وقت ڈھول ڈھمکّے کے شوروغل سے شکار کو گھیر گھار کر شکاری کی زد میں لایا جاتا ہے اسی طرح عوام کو بھی ہر جائز و ناجائز تدبیر سے گھیر گھار کر، ان کے دل و دماغ کو مفلوج اور قوتِ فیصلہ کو معطل کر کے بیلٹ بکس تک لایا جاتا ہے۔

تحریک اسلامی اپنی قوم کی بھلائی، مسلمانوں کی اصلاح اور اپنے ملک کا استحکام چاہتی ہے۔ اس کے نزدیک ملک کا استحکام ایک باشعور جمہوری اور نظریاتی معاشرے پر ہی موقوف ہے۔ جب تک عوام اپنی آزادانہ رائے سے شعور کے ساتھ خود فیصلہ کرنے کے قابل نہ ہوں وہ ایک اصلاح یافتہ حقیقی عوامی حکومت کی تشکیل کے لیے فہم و شعور استعمال نہیں کرسکتے اور جب تک لوگوں میں پختہ شعور موجود نہ ہو جو فیصلہ کن اور قابل نفاذ بھی ہو، جمہوریت کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اور جہاں حقیقی جمہوریت موجود نہ ہو وہاں بار بار اور مسلسل سیاسی دھما کے ملک و ملت کی چولیں ڈھیلی کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے تحریک اسلامی نے فہم و شعور پر مبنی غیر جذباتی

سیاست کی بنیاد رکھی ہے۔ ظاہر ہے کہ شدتِ جذبات میں فہم و شعور کام نہیں کرتا اور سیاست وہ کاروبارِ مملکت ہے جس میں اگر فہم و شعور معطل ہوں تو ملک و ملت کے وجود تک کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور جذباتی فیصلے اجتماعی زندگی میں تباہ کن ہوتے ہیں۔ اسی لیے تحریک اسلامی نے سیاست میں معقولیت، افہام و تفہیم، استدلال اور فہم و شعور کو داخل کیا ہے تاکہ کاروبارِ مملکت بے لاگ استدلال سے اکثریت کی رائے کے مطابق معقول ترین تدابیر کو اختیار کر کے سرانجام دیا جائے۔ اس نے تنقید کو بھی مدلل معقول اور تعمیر ملت کے نقطہ نظر کا حامل بنایا ہے جس میں بے لاگ اور تعمیری استدلال کے ساتھ منصفانہ موقف کی حمایت اور صداقت کا اعتراف شامل ہے۔ تحریک اسلامی نے سیاست میں الفاظ و کردار دونوں کی پاکیزگی کو شرط اول کے طور پر اختیار کیا ہے۔ تقاریر و بیانات میں شائستگی اور پاکیزگی اور کردار میں مروجہ خرابیوں سے بچتے ہوئے اصول پرستی کے راستے پر اخلاقی حدود کی پابندی کے ساتھ وہ برس ہا برس سے گامزن ہے۔ تنقید میں اس کا طرزِ عمل ہمیشہ مثبت اور تعمیری رہا ہے اور کبھی کوئی مخالفانہ جذباتی رو اُسے اس سیدھے راستے سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ حقیقت یہ ہے کہ ملت کے اجتماعی اخلاق کی اصلاح و تشکیل اور قومی شائستگی اور تہذیب و ترتیب کا بھی راستہ ہے۔ تحریک نے اس راستہ پر طویل سفر کیا ہے اور یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ اس نے اس میدان میں ایک ایسا معیار قائم کر دیا ہے جس کی خوبی اور معقولیت کا اعتراف اس کے دشمن بھی کرتے ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ یہ روش دوسرے سیاسی گروہوں میں بھی بتدریج نفوذ کرتی چلی جائے گی۔

تحریک کی اس اجتماعی شائستہ سیاست کا اثر ہے کہ ۱۹۵۳ء کے قادیانی فسادات نے وہ تباہ کن خونریزی کا راستہ اختیار نہ کیا جس کا خطرہ حکمرانوں کی بے تدبیریوں نے خود پیدا کر دیا تھا۔ اسی طرح ملک میں دو تین بار مارشل لا لگنے کے باوجود جان و مال کی دوسرے ملکوں کی طرح وہ ہولناک تباہی نہیں ہوئی جو مارشل لا نافذ ہونے سے ہر قوم کے اندر بالعموم ہو جایا کرتی ہے۔ اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ تحریک اسلامی کے کیے ہوئے پُرامن اور تدریجی سیاسی کام نے پورے معاشرے اور انتظامی ڈھانچے کا مزاج سیاسی میدان میں بڑی حد تک آئینی غیر جذباتی اور شائستہ بنا دیا ہے۔

صحافت میں پاکیزگی جرأت دیانت اور انصاف کا تصور ہمارے ملک میں صحافت کی روایات نہ شاندار ہیں اور نہ قابلِ فخر۔ چند ایک جرائد کو چھوڑ کر اخبارات و رسائل کی بڑی تعداد نے معاشرے کو جنسی، نفسیاتی،

اور ہیجانی کیفیات میں مسلسل مبتلا کر کے اسی کا عادی بنایا ہے اور سنسنی خیزی ہمیشہ اس کا جزو غالب رہی ہے۔پھر حکمرانوں کی بے جا مدح سرائی اور ان کے ناقدین کی پگڑی اچھالنے اور گردن دبانے کا کاروبار بھی ہماری صحافتی روایات میں تسلسل سے موجود چلا آ رہا ہے۔ہمارے معاشرے کی تباہی اور ملک کی شکستگی کی خاصی ذمہ داری ہماری صحافت کے سر بھی آتی ہے۔پاکستان کی پوری صحافتی روایت تعمیری سے زیادہ تخریبی رجحان پر مبنی چلی آتی ہے۔چونکہ اس پر اشتراکی اور مفاد پرست عناصر کا ہمیشہ غلبہ رہا ہے، اُس نے اسلام اور جمہوریت کا خون کر کے برسر اقتدار آنے والوں کی ان شخصیتوں کو مصنوعی طریقوں سے ابھارنے کی کوششیں کیں جو تمام کوششوں کے باوجود اپنی اسلام دشمنی اور جمہوریت کشی کے سبب قوم میں باوقار نہ بن سکیں اور حوادثِ زمانہ سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی رہیں۔لیکن پاکستان کے حقیقی تعمیری مضمرات کی حامل شخصیتوں کو دبانے کچلنے اور ان کا چہرہ مسخ کرنے کا کاروبار اس صحافت نے مسلسل جاری رکھا ہے جس کے نتیجے میں قوم کے نظریاتی اور تعمیری رجحانات کی حامل شخصیات کا ابھرنا آسان نہ رہا۔اس طرح ہمارے ملک کی صحافت سامری کے بچھڑے پالتی رہی اور کلیموں کی پرورش کے تمام راستے مسدود کرتی رہی ہے۔درحقیقت یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ ملک کی تباہی میں ہماری صحافت کا ہاتھ ہر ہاتھ سے زیادہ لمبا اور موثر ہے۔

تحریک اسلامی نے صحافت و ادب کے میدان میں بھی شائستگی، انصاف و دیانت، شرافت اور تہذیب کی روایت کو اجاگر کیا ہے۔اس نے تنگ دستی برداشت کرتے ہوئے بھی اپنے صفحات میں گندے ثقافتی رجحانات کو پرورش کرنے سے پرہیز کیا، نظریۂ پاکستان کی ہمیشہ پاسداری کی اور اس کے لیے اربابِ اقتدار کی طرف سے بار بار بندش کے خطرات بھی برداشت کیے۔اختلاف میں جھوٹے الزام اور بہتان کی بجائے ہمیشہ دلیل کا راستہ اختیار کیا۔جذباتیت اور کردار کشی کی بجائے متانت سنجیدگی اور انصاف کو ملحوظ رکھا اور اپنے مخالفین کے نقطۂ نظر کو بھی ہمیشہ ان کے الفاظ اور مدعا کے مطابق پیش کیا۔اسلام کو نصب العین بنایا اور جمہوریت کو اپنے کام کا راستہ قرار دیا اور پھر ان دونوں چیزوں سے کبھی بے وفائی نہ کی۔اگرچہ خوشامد اور درباداری کی فضا میں ایسے ادب اور صحافت کی زندگی قائم رکھنا ہمیشہ دشوار تر رہا ہے۔لیکن نقصانات گوارا کر کے بھی تحریک اسلامی نے اس میدان میں اپنے معیارِ انصاف و شائستگی کو کبھی گرنے نہیں دیا اور اسلام و جمہوریت کا علم ہمیشہ بلند رکھا۔یہ روایت محدود اور مختصر سہی لیکن مفاد و زر پرستی کی ریل پیل میں اس روایت کو نبھا کر تحریک اسلامی نے ایک مثالی معیار قائم کیا ہے اور یہ اس کی بہت بڑی کامیابی ہے کہ اس کے نظریات سے ہم آہنگ کسی ادبی یا صحافتی

جریدے نے آج تک اس درخشاں روایت سے بے وفائی نہیں کی ہے۔

خود کفیل مالیاتی نظام کی تشکیل ہندو تو ایک مال دار قوم تھی اور اس میں آزادی کا شعور کانگریس کی تشکیل کے بعد تدریج بیدار ہوتا چلا گیا تھا۔ اس نے جان لیا تھا کہ چاہے کتنے ہی مسلمان کانگریس میں شریک ہو جائیں، مغرب کی قوم پرستانہ سیکولر جمہوری نظام کی آزادی میں وہ عددی اقلیت کے سبب ہندو کے اجیر ہی بن کر رہیں گے۔ اس لیے اس نے قومی لحاظ سے اپنی ساری توجہات کانگریس کو مالی تقویت دینے پر مرکوز کر دی تھیں۔ اس جوش آزادی نے ایک معمولی بنیے کو بھی دھرم کھاتہ کے نام سے کانگریس کے لیے فنڈز جمع کرنے پر مامور کر دیا تھا جس میں مسلمان گاہک تک بے خبری میں رقم ڈال جاتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کی جماعتیں ہمیشہ چندوں کی محتاج رہیں اور مسلمانوں میں شعورِ آزادی کی کمی کے سبب بیشتر جماعتیں شدید مالی مشکلات کا شکار ہوتی رہیں۔ خود مسلم لیگ بھی پاکستان جیسے دلآویز تصور کی علمبردار ہونے کے باوجود ہمیشہ مالی مشکلات کا شکار رہی۔ اس لیے کہ مسلمان سرمایہ داروں کی تجوریاں کبھی قومی مقاصد کے کام نہ آسکیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کے مالدار طبقے کی اکثریت ہمیشہ سخت خود غرض، حکومتِ وقت کے بے دام غلام اور نا خدا ترس لوگوں پر مشتمل رہی۔ ہندوؤں نے تو اپنی قومی جماعت کا خزانہ ہمیشہ معمور رکھا لیکن اجتماعی شعور سے بے بہرہ مسلمان ہمیشہ اپنی قومی جماعتوں پر چندہ خوری کے الزامات ہی عائد کرتے رہے۔ یا پھر انہیں بیرونی طاقتوں کے آلۂ کار قرار دیتے رہے۔ مولانا مودودی کے سامنے مسلمانوں کے اجتماعی اداروں کی یہ دردناک تصویر موجود تھی جب انہوں نے اپنی بے خبر اور بے حس قوم کو تباہی کی طرف جاتے ہوئے دیکھا اور انہیں بیدار اور اپنے نصب العین سے باخبر کرنے کا پختہ عزم کیا۔ مولانا مودودی خود بھی ایک متوسط گھرانے سے ہی اٹھے تھے اور ایک زبردست خود دار طبیعت کے مالک تھے۔ انہوں نے اول روز سے ہی اپنی تحریک کا ڈھانچہ خود کفالتی اصول پر کھڑا کیا اور ایک طرف اپنے جریدے اور کتابوں کی آمدنی کو تحریک کے بنیادی سرمایے کی حیثیت سے استعمال کیا۔ دوسری طرف تحریک سے وابستہ ہونے والے کارکنوں میں انفاق فی سبیل اللہ کا پرجوش مخلصانہ جذبہ بیدار کیا۔ تیسری طرف انہوں نے تنظیمی مقاصد کے لیے عام چندے کی اپیل سے اجتناب کیا تاکہ عام چندوں کے حصول سے تحریکوں کے نصب العین اور پروگرام میں جو بیرونی مداخلت راہ پا جاتی ہے اس سے تحریک کو بچایا جا سکے۔ اقامت دین کو نصب العین قرار دے کر جو شخص بھی تحریک میں آیا وہ انفاق فی سبیل اللہ کے جذبے سے پوری طرح آگاہ اور سرشار تھا۔ چنانچہ تحریک سے وابستہ ہونے والا اپنے ساتھ اپنی ساری متاع لے کر آیا۔ تحریک میں شاید کوئی ایک بھی کارکن نہ ہوگا جو اپنے شرعی واجبات

تحریک کے بیت المال میں داخل نہ کرتا ہو۔ اس کے علاوہ ہر کارکن نہایت باقاعدگی سے ہر ماہ تحریک کے بیت المال میں اپنی آمدنی کا خاص حصہ داخل کرتا رہتا ہے۔ اس طرح مسلمانوں میں تحریک اسلامی پہلی نظریاتی جماعت ہے جس نے عوامی چندے سے اجتناب کرتے ہوئے صرف اپنے تنظیمی ڈھانچے کے زور سے تحریک کی ساری مالی ضروریات پورا کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ چونکہ تحریک کھلے بندوں عام اپیل کر کے لوگوں سے چندہ وصول نہیں کرتی اس لیے تحریک اسلامی کے بدباطن دشمن جو مسلمانوں کے چندے بھی ڈکارنے کے عادی ہیں بدنیتی سے تحریک کے بارے میں طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود کفالتی کی اس اسکیم کے ذریعے تحریک اسلامی نے بیرونی اثرات سے بچنے اور اپنے نصب العین اور پروگرام پر اپنے ضمیر اور فہم و شعور کے مطابق عمل پیرا رہنے کی مضبوط ضمانت پیدا کر لی ہے۔ یہ وہ کامیابی ہے جو مسلمانوں کی جماعتوں میں صرف تحریک اسلامی نے حاصل کی ہے۔

اسلامی انقلاب کے لیے مکمل نقشۂ کار کی تیاری ویسے تو مسلمانوں کی کم و بیش ساری جماعتیں اسلامی نظام کے نفاذ کا دعویٰ کرتی ہیں، اور جنھیں سوشلزم کے لیے راستہ ہموار کرنا ہوتا ہے وہ بھی اسلام کو اپنا دین قرار دینے اور محمدی مساوات کو اپنا پروگرام بنا کر پیش کرتی ہیں، لیکن ان کے نزدیک اسلام کی اہمیت ایک نظامِ زندگی سے زیادہ ایک سیاسی پالیسی کے طور پر اس کا نام استعمال کرنے کی ہوتی ہے۔ ان کے پاس نہ مکمل اسلامی نظامِ حیات کا کوئی واضح تصور ہوتا ہے، نہ ان کے پاس اسلامی ریاست کے واضح خدوخال ہوتے ہیں، نہ وہ اسلامی نظام برپا کرنے والی جماعت کے طور طریقے اختیار کرتی ہیں اور نہ ان کی جدوجہد سے اسلامی نظام جیسا ہمہ گیر نظریاتی نظام رونما ہو سکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں تحریک اسلامی نے اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے اسلامی نظام کا باقاعدہ تفصیلی نقشہ تیار کیا ہے۔ اسلامی نظامِ زندگی میں معاشیات کیسی ہوں گی۔ نظامِ تعلیم کیسا ہوگا۔ سیاسیات کا رنگ ڈھنگ کیسا ہوگا۔ معاشرے میں اصلاحات کیا کچھ کی جائیں گی۔ پسماندہ لوگوں کو کیسے اوپر اٹھایا جا سکے گا۔ باطل نظام کے مراعات یافتہ طبقوں کو کس طرح اسلامی نظام میں اصلاح یافتہ بنایا جائے گا۔ اس کا آئین کیسا ہوگا۔ قانون کیسا ہوگا۔ صحت و صفائی و زراعت و معیشت کے کیا اصول ہوں گے۔ باطل نظام کو کس کس طرف سے اور کس کس طرح سے اُدھیڑ کر اسلامی نظام کے لیے راستے بنائے جائیں گے۔ اسلامی نظام کی برتری کن کن پہلوؤں سے باقی تمام نظام ہائے زندگی پر قائم ہوتی ہے۔ اسلامی نظام کے حکام و عمّال اور کارندے کن کن اوصاف کے مالک ہوتے ہیں اور وہ کس طرح تیار کیے جائیں گے۔ اس کا دفاع کیسے ہوگا اور اس کی داخلی

اور خارجی پالیسیاں کیا ہوں گی۔ غرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں تحریک اسلامی نے پوری کامیابی کے ساتھ اسلامی نظام کی تفصیلات اور جزئیات تعلیم یافتہ لوگوں کے سامنے نہ رکھ دی ہوں۔ یہ بات آسانی سے کہی جاسکتی ہے کہ تحریک اسلامی کے پاس اسلامی نظام کی عمارت کا پورا خاکہ اور بلو پرنٹ موجود ہے اور جس روز تشکیل و تعمیر کا کام اس کے ہاتھ میں آیا وہ ایک محنتی معمار کی طرح پورے نظامِ زندگی کو اس کے مطابق ڈھال دینے کا جذبہ اور صلاحیت رکھتی ہے۔ میرے خیال میں اس جدید دور میں اسلامی نظام کی نقشہ گری کا یہ کام اتنی بڑی کامیابی ہے جو صدیوں بعد مسلمانوں کے معاشرے میں رونما ہوا ہے۔ اسلامی انقلاب کا یہ اتنا جامع نقشہ ہے جس کی روشنی میں ایک اسلامی تحریک دنیا کے کسی بھی گوشے میں برپا کی جاسکتی ہے اور اس کی کامیابی پر دنیا کے کسی بھی معاشرے میں بڑے مثالی انداز میں اسلامی نظام کا اس دورِ جدید میں تجربہ کیا جاسکتا ہے۔

عظیم اسلامی لٹریچر۔ پائیدار اسلامی تحریک کا سرچشمہ تحریک اسلامی نے دورِ حاضر میں اسلامی جماعت کے قیام اور اس کے ذریعے اسلامی نظام برپا کرنے کے لیے عظیم لٹریچر تیار کیا ہے۔ یہ تحریک اسلامی کی ہی خصوصیت ہے کہ اس نے تبلیغ دین اور توسیعِ دعوت کا کام صرف تقاریر کے ذریعے ہی نہیں بلکہ تحریر کے ذریعے بھی سرانجام دیا ہے۔ تقاریر تو ہوا میں اڑجاتی ہیں سننے والے پر ایک ناپائیدار سا معمولی تاثر چھوڑ کر تحلیل ہو جاتی ہیں لیکن لٹریچر ایک ایسا پائیدار اور مستقل ذریعہ ہے جو ہمہ وقت تعمیر سیرت و کردار کا کام کرتا رہتا ہے اور اس کی اثر پذیری تقاریر کے مقابلے میں زیادہ وسیع اور گہری ہوتی ہے۔ یہ نئی نسل تک دعوت کو منتقل کرتا ہے۔ یہ معاشرے کے ان دور دراز گوشوں تک دعوت کو پہنچاتا ہے جہاں بعض اوقات تحریک کے کارکن بھی نہیں پہنچ سکتے بلکہ دعوتی میدان میں اکثر و بیشتر لٹریچر کے براہِ راست پھیلائے ہوئے غیر محسوس اثرات ہی ہوتے ہیں جنہیں تحریک کے کارکن سمیٹتے اور ان کی تنظیم و تربیت کرتے ہیں۔ لٹریچر جس گھر میں بھی پہنچ جاتا ہے اس میں گویا دعوتِ اسلامی کا جھنڈا گڑ جاتا ہے۔ وہ ملک سے باہر غیر ملکوں میں اور زیرِ دعوت قوم سے باہر دیگر قوموں تک بھی تحریک کی دعوت کو پہنچانے اور پھیلانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اقامت دین کے لیے جس قسم کی اسلامی تنظیم مطلوب ہے اس کی صورت گری اور تشکیل و تربیت کا کام بھی لٹریچر ہی سرانجام دیتا ہے اس طرح لٹریچر کے ذریعے معاشرے میں تحریک اسلامی کا تنظیمی وجود بھی عارضی نہیں بلکہ پائیدار بنیادوں پر استوار ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں دعوت کے پھیلنے اور اسے مستقل جاری رکھنے کے لیے ایک مضبوط، منظم، مستقل،

زندہ اور فعال اجتماعی ہیئت موجود رہنے کا اہتمام ہو جاتا ہے جسے حوادثِ زمانہ اور بدلتے ہوئے حالات آسانی سے اکھاڑ نہیں سکتے بلکہ اس بات میں مبالغہ نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ اس لٹریچر نے اسلامی نظم جماعت کا ایک محسوس اور قابل عمل ڈھانچہ اس طرح تیار کر دیا ہے کہ اس کی بنیاد پر دنیا کے ہر معاشرے میں دعوتِ اسلامی کے لیے اجتماعی ہیئت بھی قائم کی جا سکتی ہے اور اسے دعوتِ اسلامی کی توسیع کے لیے کام میں بھی لایا جا سکتا ہے۔ بلکہ تحریک کی موجودگی میں ہی دنیا کے مختلف ملکوں میں اس کے تنظیمی اور دعوتی خطوط کار سے استفادہ کرتے ہوئے اجتماعی کام شروع بھی ہو گیا ہے۔ تحریک اسلامی کے لیے کس قسم کا نظم جماعت مطلوب ہے۔ اس کے کارکن کن صفات کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ صفات کیسے پیدا کی جاتی ہیں اور ان صفات کے کارکنوں کا دائرہ کار اور لائحہ عمل کیا ہوتا ہے۔ یہ سارا نقشہ تحریک کے لٹریچر میں موجود ہے۔ اسی طرح دورِ حاضر میں اسلامی نظام برپا کرنے کی تدابیر کیا ہیں۔ اس کے تقاضے کیا ہیں۔ دورِ حاضر میں برپا ہونے والے اسلامی نظام کے نقش و نگار کیا ہوں گے۔ جدید مسائل کے بارے میں اس کا نقطۂ نظر کیا ہوگا ان ساری باتوں پر تحریک کا لٹریچر تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے۔ بلکہ اس کا دستورِ نظم جماعت کی تشکیل، اور اس کا منشورِ اسلامی نظام کی تعمیر و تشکیل کے لیے بہترین خاکے کی حیثیت سے کام دے سکتا ہے۔ بلاشبہ تحریک اسلامی کی یہ بڑی کامیابی ہے کہ اس نے لٹریچر کی قوت سے خود تحریک اور اس کے نصب العین کو پائیدار اور بین الاقوامی خطوط پر قائم کر دیا ہے جسے زمانے کے حوادث آسانی سے نہیں ہلا سکتے۔

سیاست میں خدمتِ خلق کا رواج سیاسی میدان اقتدار کے لیے کشمکش کا میدان ہے۔ اس میں دھڑے اور گروہ تو منظم ہو جاتے ہیں۔ لیکن دنیا بھر میں اس میدان کے اندر کسی سیاسی جماعت کے پروگرام میں بھی خدمت خلق کا کام شامل نہیں ہوتا۔ برصغیر میں تحریک اسلامی وہ اولین تحریک ہے جس نے خدمت خلق کو باقاعدہ اپنے پروگرام کا جز بنایا۔ اس کے قیام کے چند سالوں بعد ہی بہار میں ہندو مسلم فسادات ہوئے تو ان میں ریلیف کیمپ قائم کر کے مظلوم مسلمانوں کی امداد کا کئی ماہ تک کام کیا گیا۔ قیام پاکستان کے وقت پورا مشرقی پنجاب ظلم و ستم اور تباہی و بربادی کی زد میں آگیا تو جماعت نے مہاجرین کے لیے امدادی کیمپ قائم کر کے خدمت و امداد کا کام کیا۔ اس کے بعد تو ہر قومی مصیبت کے وقت جماعت اسلامی آگے بڑھ کر خدمتِ خلق کا کام سرانجام دیتی رہی۔ مہاجرین کشمیر کی امداد کی گئی۔ پاک بھارت جنگ میں برباد و تباہ حال لوگوں کی امداد کا کام کیا گیا۔ مشرقی پاکستان میں سیلابوں کی ہر آفت کے موقع پر مصیبت زدہ لوگوں کی دست گیری کی گئی۔ ملک بھر میں تعلیمی اداروں کے ذریعے

اسلامی تعلیم و کردار کا اہتمام کیا گیا۔ شفا خانوں کے ذریعے غریب اور مسکین مریضوں کی طبی امداد کا اہتمام ہوا۔ بیوگان، مساکین اور ضرورت مند طالب علموں کی ضروریات کا بندوبست کیا گیا۔ غرض خدمت خلق کے میدان میں جماعت اسلامی کا کام منفرد حیثیت رکھتا ہے اور یہ سارا کام اس نے خالص فی سبیل اللہ قلیل ترین ذرائع کی مدد سے عوام میں جذبۂ خیر پیدا کر کے سرانجام دیا ہے۔

بے لوث کارکنوں کی منظم ٹیم

تحریک اسلامی کی یہ بھی ایک بہت بڑی کامیابی ہے کہ اس نے بے لوث، سرفروش، جانباز، اور ایثار پیشہ کارکنوں کی زبردست ٹیم مسلمان معاشرے میں سے تیار کر دی ہے جو ہر قسم کے حالات میں سے گزرتے اور ہر قسم کی قربانی دیتے ہوئے اسلامی نظام کے لیے ایک طویل صبر آزما اور جانگسل جدوجہد میں مصروف ہے۔ مسلمانوں کے اندر اجتماعی کاموں کے لیے نعرے بازی اور جذباتی ہنگامی مسائل پر لوگوں کو وقتی طور پر اکسا کر ان سے ہنگامی کام لینے کا رواج چلا آتا ہے۔ کسی خاص مقصد کے لیے لوگوں کے فہم و شعور کو تیار کرنا، انہیں کوئی نصب العین دے کر یکسو کرنا، انہیں کسی مخصوص طریق کار اور جدوجہد کی نہج کا قائل کرنا۔ اور ان کے مزاج کی مخصوص انداز میں تربیت کر کے انہیں کسی تنظیمی سانچے میں ڈھالنا اور ان کو کسی تنظیم کی لڑی میں پرو کر حلقہ ہائے زنجیر کی طرح ناقابل شکست بنا دینا، ایک ایسا کام ہے جو مدت دراز سے مسلمانوں کے معاشرے میں کسی تنظیم نے سرانجام نہیں دیا۔ اسی وجہ سے بڑے بڑے عظیم مقاصد کے لیے برپا کی جانے والی جدوجہد بھی صرف ہنگامے اور چند روزہ ہاؤ ہو پر منحصر ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ تحریک اسلامی کی زبردست کامیابی ہے کہ اس نے اپنے تدریجی تربیتی عمل سے صاحب کردار افراد کا معاشرے کے وسیع دائرے میں سے چناؤ کیا ہے۔ لاکھوں افراد میں سے ان کی چھانٹی کی ہے۔ پھر انہیں کام کا نقشہ بتا کر برسوں ان کے کردار کو اسلامی تحریک کے لیے موزوں بنانے کی خاطر انہیں اجتماعی تربیتی مراحل میں سے گزارا ہے اور پھر اُن کی باصلاحیت ٹیم تیار کر کے اسے مشین کی طرح معاشرے کے وسط میں نصب کر دیا ہے۔ اب یہ تنظیم ایک خودکار مشین کی طرح کام کرتی اور معاشرے میں سے کام کے آدمی چھانٹتی، تیار کرتی اور اپنی لڑی میں پروتی چلی جاتی ہے۔ اس کی طرف آنے میں زبان علاقہ نسل گروہ یا مفادات کے کوئی تعصبات حائل نہیں ہوتے۔ وہ رنگ، نسل، زبان، طبقہ اور علاقہ کی ساری عصبیتوں کو مٹاتی اور ان میں صرف اسلامی عصبیت پیدا کر کے اپنے ساتھ ملاتی چلی گئی ہے۔ ایسے بے مُزد کام کرنے والے اور اپنا اجر اپنے رب سے چاہنے والے کارکنوں کی ٹیم دنیا کی کسی جماعت کو بھی شاید آج کہیں میسر نہیں ہے۔ یہی کامیابی ہے جس کے نتیجے میں

مسلمانوں کے اس ملک میں زبردست آزمائشوں اور مصیبتوں میں سے گزرنے کے باوجود تحریک اسلامی نہ صرف اپنے پاؤں پر مضبوطی کے ساتھ کھڑی رہی ہے بلکہ اسے مٹانے والے خود مٹتے چلے گئے ہیں اور یہ ایک تناور درخت کی طرح بڑھتی چلی گئی ہے۔ آج اس کے مخالفین بھی اس کی تنظیم کے استحکام اور اس کے کارکنوں کی مضبوطی اور پامردی کا اعتراف کرتے ہیں اور جو لوگ اپنے کھوکھلے اور بوسیدہ حربوں سے اس کا مقابلہ کرتے اور پرانے جابروں کے ٹوٹے ہوئے ہتھیاروں سے اس کا راستہ روکتے ہیں وہ بھی جانتے ہیں کہ وہ ایک سعیِ لاحاصل میں مصروف ہیں۔ وہ خود مٹ جائیں گے لیکن بے لوث کارکنوں کی یہ ٹیم اپنی منزل کی طرف پامردی اور ثابت قدمی کے ساتھ آگے ہی آگے بڑھتی رہے گی۔

اسلامی قیادت کی تدریجی تیاری

تحریک اسلامی نے ایک کامیابی یہ بھی حاصل کی ہے کہ مطلوبہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے بتدریج ایک بے غرض، بے لوث، خداترس، سخت کوش اور محنت و مشقت کی عادی قیادت تیار کی ہے جس میں اسلامی نظامِ زندگی کے مختلف گوشوں پہلوؤں اور شعبوں کے ماہرین موجود ہیں۔ جن میں باہمی تعاون ہے لیکن کوئی نفسانی کشمکش یا نمود و نمائش نہیں ہے۔ یہ قیادت مسلمانوں کی مروجہ سیاسی قیادت کی طرح سرمایہ داروں اور جاگیرداروں میں سے نہیں اٹھی ہے بلکہ مکمل طور پر نچلے متوسط اور غریب طبقے سے ابھری ہے۔ ملک میں صرف ایک تحریک اسلامی ہی ہے جس میں روایتی بائیس خاندانوں میں سے کوئی ایک خاندان بھی شامل نہیں ہے اور نہ اپنی ظالمانہ دولت اور استحصالی طریقِ کار اور ناخداترس دل و دماغ اور حربوں کے ساتھ اس میں کوئی شامل ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس میں اوسط درجے کا سرمایہ دار بھی کوئی موجود نہیں ہے۔ اس لیے کہ باطل نظام میں دولت باطل اور حرام طریقوں سے آتی ہے، حلال طریقوں سے کوئی معروف معنوں میں سرمایہ دار نہیں بن سکتا۔ اور ظاہر ہے کہ باطل نظام میں باطل اور حرام ذرائع سے دولت سمیٹنے اور کمزوروں اور غریبوں کا خون پینے والوں کے لیے تحریک میں کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی، نہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنے کام کے لیے استعمال کرتا ہے اور نہ انہیں اس کی توفیق دیتا ہے۔ جو لوگ ان سرمایہ داروں کے سرمایے پر اپنی دکانِ قیادت چمکاتے ہیں ان میں تحریک کی اس درویشانہ خصوصیت سے سخت احساسِ کمتری پیدا ہوتا ہے اور بالآخر وہ اپنے کردار سے مجبور ہو کر جماعت کے خلاف اپنے سارے غیراخلاقی حربے استعمال کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ استحصال کے ذریعے خود غیراخلاقی کارروائیوں میں مصروف ہوں ان سے اپنے حریفوں کے خلاف غیراخلاقی حربوں کا استعمال کوئی بعید از قیاس بات نہیں ہے۔ تحریک کے قیام کے

دن سے ہی اس کا کردار ایک ایسی کھلی ہوئی کتاب ہے جس میں دیانت دار آدمی کو صداقت اور بے انصاف آدمی کو اپنا مجرم ضمیر نظر آتا ہے۔ تحریک اسلامی میں ہر سطح پر متوسط درجے کی قیادت کا موجود ہونا ہی اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ وہ کس طرح کا اسلامی انقلاب کیسے لوگوں کے ذریعے لانا چاہتی ہے، وہی انقلاب جو عرب میں پہلی اسلامی تحریک لائی تھی۔ اُس جدوجہد میں بھی سب متوسط درجے کے لوگ ہی شامل تھے اور انہوں نے اپنے کردار کے زور سے دنیا کی تقدیر بدل ڈالی تھی۔ متوسط طبقے میں سے ابھرنے والی مضبوط، دیانتدار، دیندار، جدید و قدیم علوم سے بہرہ ور، آزمائشوں اور امتحانوں سے گزری ہوئی، نہ بکنے والی اور نہ دبنے والی باصلاحیت قیادت تیار کر دینا وہ کارنامہ ہے جو بڑی محنت اور طویل جدوجہد سے تحریک اسلامی نے سرانجام دیا ہے اور آج داعیٔ تحریک کی موجودگی میں بھی تحریک کے پاس اتنا انسانی سرمایہ موجود ہے کہ اس کے معمولی کارکن بھی اپنے اخلاق اور قربانی کے سبب اپنی اعلیٰ صلاحیت اور پامردی کا مظاہرہ بار بار کر چکے ہیں۔ یہ چیز ان لوگوں کے سینے پر مونگ دلتی ہے جو صفات کی بجائے اپنے مال و اسباب اور ذرائع و وسائل کے زور سے براہِ راست اونچے مناصب پر فائز ہونے کے عادی چلے آتے ہیں۔

تحریک اسلامی نے اجتماعی زندگی میں جو چند ٹھوس اور قابل ذکر کامیابیاں حاصل کی ہیں میں نے ان کامیابیاں مختصر سا تذکرہ کرنا مناسب سمجھا ہے، اس لیے کہ مسلمانوں میں ایک مدت سے بس ایک ہی کامیابی کا تذکرہ ہر تذکرے پر غالب چلا آتا ہے اور وہ ہے کرسی اور اقتدار پر قبضہ کرنے کی کامیابی۔ حالانکہ اقتدار پر قبضے کی کامیابی سے پہلے اگر کسی گروہ نے مذکورۂ بالا ابتدائی کامیابیاں حاصل نہ کی ہوں تو ایسی ناپختہ حالت میں کسی گروہ کی سیاسی کامیابی خود اس کے لیے ہمیشہ کی ناکامی کا پیش خیمہ اور قوم کے لیے تباہی و بربادی کا الارم ثابت ہوتی ہے۔

مطبوعات

مرشدِ جیلانی کے ارشاداتِ حقانی | مؤلف: مولانا محمد حنیف یزدانی۔ ناشر مکتبہ نذیریہ الپتگین سٹریٹ ۳۳ اچھرہ لاہور۔ کتابت طباعت عمدہ سفید کاغذ صفحات ۱۰۴ قیمت -/۲ روپے

مولانا محمد حنیف صاحب نے اپنے اس کتابچہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی کتب سے اُن کے وہ ارشادات نقل کیے ہیں جن کا تعلق توحیدِ حقیقی سے ہے "نفع و نقصان صرف اللہ کے اختیار میں ہے" "مخلوق سے مانگنے والا بے عقل ہے" "خدا کی تقدیر کو کوئی نہیں بدل سکتا" "غیب دان صرف اللہ ہے" مولانا نے ان عنوانات کے تحت مرشدِ جیلانی کے اقوال نقل کر کے اُن کے عقیدتمندوں کو توجہ دلائی ہے کہ اپنے رسوم و عقائد کو ان کی روشنی میں بدلیں اور اپنی اصلاح کریں۔ کتاب کے آغاز میں پیرِ جیلانی کے مختصر سوانح اور ان کے افادات و ملفوظات کو بھی درج کر دیا گیا ہے۔

ہماری رائے میں مولانا کی زیرِ نظر کتاب عامتہ الناس کے لیے قابلِ مطالعہ ہے۔ ہم اس کے مطالعہ کی پر زور سفارش کرتے ہیں۔ فاضل مؤلف کی خدمت میں ہماری گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تبلیغِ دین کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ انہیں چاہیئے کہ "اُدعُ الیٰ سبیلِ ربک بالحکمۃ والموعظۃِ الحسنۃ" کو ہر وقت پیشِ نظر رکھیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب میں ص۴۳ اور ص۹۵ پر ان کا قلم اس تعلیم کو نظر انداز کر گیا ہے۔

وانح و تصانیف امام ترمذی | مؤلف پروفیسر امتیاز احمد سعید صاحب۔ ناشر مکتبہ عثمانیہ ۱۹۔ اردو بازار لاہور نابت طباعت گوارا۔ سفید کاغذ صفحات ۱۶۰ قیمت ۷/۵۰ روپے

جامع الترمذی کے مؤلف محمد بن عیسیٰ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ نے جمع و تدوینِ احادیث نل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں جو عظیم الشان خدمت انجام دی وہ "الجامع الصحیح" کی صورت میں بـ مسلمہ سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہے۔ آپ کا مدون کردہ یہ مجموعۂ احادیث صحیحین کے بعد دنیا کا

صحیح ترین مجموعہ ہے۔ عربی میں تو آپ کی زندگی کے حالات پر مشتمل مواد مختلف مقامات پر کسی نہ کسی صورت میں مل جاتا ہے۔ مگر اردو میں اس محدثِ شہیر کے سوانح مفقود تھے۔ پروفیسر امتیاز احمد سعید نے "سوانح و تصانیفِ امام ترمذی" تالیف کر کے اردو دان طبقہ کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں امام ترمذیؒ کے سوانح کا تذکرہ ہے۔ آپ کا وطن، عہد، نام و نسب، ولادت، آپ کے شیوخ، تحصیلِ احادیث کے لیے آپ کے طویل سفر وغیرہ مباحث پر تحقیق کے ساتھ کلام کیا گیا ہے۔ دوسرے حصہ میں امام کی تصانیف بالخصوص "الجامع الصحیح" اور "شمائل النبیؐ" کا بیان ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں محترم مؤلف نے کوئی بات بلا حوالہ درج نہیں کی ہے نیز مستند مصادر و مآخذ کی طرف رجوع کیا ہے اور یہی اس کی بڑی خوبی ہے۔ پروف ریڈنگ البتہ یکسوئی کے ساتھ نہیں ہو سکی کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں نظر پڑتی ہیں۔

(بقیہ اشارات) محتاج نہیں بلکہ وہ حکومت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے! اور جرأت کے ساتھ جینے کا حق رکھتے ہیں۔ اور ان کے اس حق کو حکومت تسلیم کرتی ہے تو پھر آمریت کے قصر کو پیوندِ خاک ہونے سے دنیا کی کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔ اس بنا پر دنیا کا ہر آمر ان تینوں ہتھیاروں کو بڑی مہارت کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔

(۴) آمریت کا چوتھا کارگر حربہ خفیہ پولیس اور خفیہ فوج کا قیام ہے۔ دنیا کا ہر آمر پولیس اور فوج کے ایسے خفیہ دستے ترتیب دیتا ہے جو نہ صرف اس کے دشمنوں کا کھوج لگاتے اور انہیں کچلتے ہیں بلکہ ہر طبقے میں گھس کر دشمنی کی بو سونگھتے رہتے ہیں اور جہاں دشمنی تو کیا عدمِ اطمینان کے نہایت ہلکے جذبات بھی پاتے ہیں وہاں پوری قوت سے حملہ آور ہو کر اُسے اپنے زعم میں نیست و نابود کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آمر ان لوگوں کی خدمات کو خوب سراہتے ہیں مگر کبھی نہیں سوچتے کہ عدمِ اطمینان کو جبر و تشدد کے اوزار کبھی اطمینان میں تبدیل نہیں کر سکتے بلکہ ان کے استعمال سے عدمِ اطمینان کے جذبات اکثر اوقات حکمرانوں کے خلاف شدید نفرت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جو بالآخر بغاوت کے شعلوں کی صورت میں نمودار ہو کر رہتے ہیں۔ مگر آمر اقتدار کے نشے میں بدمست ہو کر اتنی سادہ سی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں کہ کسی فرد، طبقے یا گروہ کے اندر عدمِ اطمینان کی کیفیت کو دھونس، دھاندلی اور جور و جفا کے ہتھیاروں سے آخر کس طرح دور کیا جا سکتا ہے؟ آمر ان ہتھیاروں کو اپنے لیے سب سے زیادہ کارگر سمجھتے ہیں اور ان کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم کے اندر شدید بیزاری پیدا ہو جاتی ہے جو اسے تباہی کے کنارے پر پہنچا دیتی ہے۔

'راہِ عمل' کے بعد
مولانا جلیل احسن ندوی کے قلم سے
احادیث نبویؐ کا نیا مجموعہ

زادِ راہ

خوفِ خدا، فکرِ آخرت، تزکیہ نفس اور
تعمیرِ سیرت کے لیے ایک مؤثر کتاب

قیمت ۲۵-۱۵ روپے

ادبیاتِ مودودی

مرتبہ ۔ پروفیسر خورشید احمد

- مولانا مودودی کے علمی و ادبی مقام اور طرزِ نگارش پر بلند پایہ تنقیدی مقالات۔
- مولانا مودودی کی ادبی تنقیدوں کا نادر مجموعہ

قیمت ۰۰-۱۴ روپے

توضیحات

تالیف ۔ مولانا امین احسن اِصلاحی

- قرآن مجید کے چند مشکل مقامات کی توضیح۔
- فقہی مسائل پر محققانہ بحث۔
- مسئلہ زکوٰۃ پر معرکہ آرا مضمون۔
- تحریک اسلامی کا پُرزور دفاع۔

قیمت ۵۰-۷ روپے

تنقیدات

تالیف ۔ مولانا امین احسن اِصلاحی

- قرآن مجید کی چند اہم آیات کی تشریح
- چند اہم سیاسی مسائل کے متعلق قرآنی احکام کی وضاحت
- تحریکِ اسلامی پر اعتراضات کا بھرپور جواب

قیمت ۰۰-۷ روپے

اِسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

۱۳- ای ، شاہ عالم مارکٹ ، لاہور ۔ ٹیلیفون ۶۸۳۴۱

رجسٹرڈ ایل نمبر ۷۰۳۳ د		ستمبر ۱۹۷۳ء		فون نمبر ۷-۵۲۵۰

سید ابو الاعلیٰ مودودی کی تفسیر

تفہیم القرآن

کے نئے ایڈیشن

جلد اول :- سورۃ الفاتحہ ـــــ سورۃ الانعام	۳۱/- روپے
جلد دوم :- سورۃ الاعراف ـــــ سورۃ بنی اسرائیل	زیرِ طبع
جلد سوم :- سورۃ الکہف ـــــ سورۃ الرّوم	۳۵/ روپے
جلد چہارم :- سورۃ لقمان ـــــ سورۃ الاحقاف	۲۸/ روپے
جلد پنجم :- سورۃ محمد ـــــ سورۃ الطلاق	۳۰/ روپے
جلد ششم :- سورۃ التحریم ـــــ سورۃ الناس	۳۰/ روپے

ڈسٹ کور فی جلد ـــــ ۵۰/۱ روپے

اپنے قریبی بک سٹال سے حاصل کیجیے

ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور